مرتبہ عزیز الرحمن صاحب مرحوم

FIROZI

علم مجلسی

یا

شعروں کی ڈکشنری

حصہ چہارم

مجیبیہ حبیبیہ کتب خانہ کلاں محل۔ دہلی

قیمت 1/8

یا کریم　　　　یا مجیب　　　　کرکردکرنیافت

علمِ مجلسی

حصّہ چہارم

دِلچسپ

قطعات و رُباعیات

نو ترمیم پانچواں ایڈیشن

مُرتبہ

عزیز الرحمٰن منیر منشی قلعہ معلّٰی کلاں محل دہلی

۱۹۵۶-۵۷ء

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

فہرست مضامین علم مجلسی حصہ چہارم

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
حمد باری۔ بہ پیرایۂ مناجات	۹	ایک مُشتِ استخواں	۱۸
حمد و مناجات۔ و رباعیات میر انیس	۱۰	نصیحت مان لو میری نہ ہو عاشق کہیں یارو	۱۹
نعت	۱۱	ابھی دل پاس تھا غائب ہوا اے ہمنشیں دیکھو	״
الٰہی تجھ کو سب قدرت ہے بلبل کو بلا گل سے	۱۲	ضعف ہو مانع تحریر۔ ولیکن قاصد	״
مدینہ کو چلو۔ دربار دیکھو۔	״	گو کرے قصد کسی کام کا دل میں انساں	״
یوں تو ظاہر میں باخدا ہیں ہم	״	ڈھونڈ ہنے کو آئیں وہ۔ گورِ غریباں میں شفق	۲۰
ابھی تو میں جوان ہوں	۱۳	وہی عالم اچھا تھا آشفتہ جس میں	״
دل میں آتا ہے اُس شوخ کی محفل میں کبھی	۱۴	کافروں کی ضد سے ہو جاؤں مسلماں کر خرش	״
اے ساقیٔ گلعذار تو پی کی ہے۔	״	ماہ رمضان	۲۱و۲۲
ایک حسینہ اور جگنو	۱۵	خلوت میں پاکے اُس سے کہا میں نے ایک بات	۲۳
کہا کل میں نے۔ اے سرمایۂ ناز	۱۶	عقدِ لندن	۲۴
کل بعد عصر۔ بزم میں کر اُس کی میں نے راہ	״	برق کلیسا اکبر الہ آبادی مرحوم	۲۵
گر ہوئی۔ پی۔ پی۔ نہیں تو یہ تو ہے۔	״	کل نظر آیا چمن میں ایک عجب رشک چمن	۲۶
سودائے عشق	۱۷	رہیں گی قید میں آخر بیچاریاں کب تک	۲۷
تن میں جان آتی ہو۔ جب تم مجھے یاد آتے ہو	״	ہو کے شاداں دنیوی آرام سے	״
دو تصویریں	۱۸	یا لب پہ کوئی قطرہ مے جم کے رہ گیا	۲۸
دو بیویاں	״	غافلو دل مت ادھر آٹھوں پہر باندھے رہو	״

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
کل بن کے شیخ مجتہد عصر آ گیا	۲۹	حقیقت لیڈروں کی میں نے پوچھی پیر صاحب سے	۴۰
شرم پھٹی آنکھ ہیں پردے سے نکلنے کیوں کر	״	اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا	״
اک بچہ جس کی ماں کا ہو گیا تھا انتقال	۳۰	دل ہر گھڑی کے خوف و خطر سے نکل گیا	۴۱
زیر کس کل ایک سمت کو میں شکل خستہ دل	״	میری وحشت کا جو کچھ حال سنا پیر کے بعد	״
اے بہار زندگانی۔ الوداع	۳۱	وہ صبح کو آئے تو کروں باتوں میں دوپہر	۴۲
خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر	״	دیکھ تو ہم سے راست بازوں سے	״
ہمدمو لطف شب وصل تو تھا ہی کہ مجھے	۳۲	فخر بکری نے کیا میرے سوا کوئی نہیں	״
اٹھائیں گے تعمیر مرقد کی ایک دن	״	عاشق کہیں معشوق سے کرتے ہیں کنارا	۴۳
پپیہا	۳۳	وفا کیا کر نہیں سکتے ہیں وہ لیکن نہیں کرتے	״
دولت و حرص	۳۴	لی ضمانت گر عسس نے ہم نے مانا یوں سہی	״
تسلی و تشفی	״	صبح محشر گر زباں کو طاقت گفتار ہو	۴۴
مجھے کیوں گالیاں دیتے ہو سمجھ کر کے ناحق کو	۳۵	مست کی جام سے گزرتی ہے۔	״
بڑھاؤ نہ آپس میں الفت زیادہ	״	قبر کی حالت	۴۵
خطاب با دوست بے پروا	۳۶	موت کی منزلیں	۴۶
دوستوں کی قسمیں	״	پرسش اعمال	״
اگر وہ شعلہ رو پوچھے میرے دل کے پھپھولوں کو	۳۷	یوم الحساب	״
گلاب کا پھول	״	اندھیری رین کا جو تجھ کو ڈر ہے	״
کیوں ضد ہے برہمن کو شیخ حرم نشیں سے	۳۸	خشک عابد	۴۷
کیا کہوں میرے اردوں کی بلندی کیا ہوئی	״	عبادت	״
میں نے کل عین قدح نوشی میں ساقی سے کہا	۳۹	مسلمانوں کی حالت	״

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل	۴۸	سوجاتا ہوں اب جی میں ہے اس کے دیکھو کوئی کب	۸۶
پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز	؍؍	اے چارہ گر دوا کر سودا تجھے ہوا ہے	۸۷
رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو	؍؍	قبرِ مجنوں کی جا پوچھا کسی نے یہ سخن	؍؍
قطعات :	۴۹	گناہ کی بیماری اور نسخہ	۸۸
رباعیات	سے ۷۰	واعظ اور شاعر	۹۰
ایک بیراگی	۷۱	آجکل کا زمانہ	۹۲
سکندرِ اعظم کی موت	۷۳	اے چارہ گر آچک کہ دمِ چارہ گری ہے	۹۴
برسات	۷۴	رباعیات	۹۸
جھولا	۷۵	خواب و خیال	۱۰۰
رباعیات	۷۶	بڑے شوق سے بھیجتا ہوں قاصد	۱۰۲
حُبِ وطن	۷۷	رباعیات	۱۰۳
مے خوار کی زندگی	۷۸	فغانِ مسلم	۱۰۴
دیکھیے ان گلعذاروں کی فضا، دو چار دن	۸۰	بے نمازی مسٹر	۱۰۷
حسینوں میں لقب تیرا ستم ایجاد کیا کیجے	۸۱	خیالاتِ زریں	۱۰۸
انقلابِ دہر	۸۲	رباعیات	۱۱۰
دعوتِ عید	۸۳	خدا ایک	۱۱۲
جلوہ گاہِ دنیا	۸۴	حور کیا ہے .	؍؍
شہرِ خموشاں	۸۵	اشتہارات	؍؍

۷۸۶

عرض مؤلف

کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوت مژگاں کئے ہوئے

حضرات! اوّل اوّل جب مَیں نے "علم مجلسی" کی تالیف و تدوین شروع کی تھی تو میرا خیال صرف یہ تھا کہ علم مجلسی کے متعلّق اشعار جمع کر کے ہدیۂ ناظرین کردیئے جائیں، مگر جب عنوانات قایم کئے اور بہترین اشعار کی تلاش میں شعرائے متقدمین و متاخرین کے مجموعۂ کلام کی ورق گردانی کی۔ تو ایسے ایسے دلسوز اور مؤثر قطعات و رباعیات نظر آئیں جس سے محض وقتی لذت و سرور ہی نہیں، بلکہ دائمی وجد و حظ حاصل ہوتا ہے اور جن کے مطالعہ سے اُس صورت آفریں صانع حقیقی کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے اور اُس کے شوق دیدار اور تمنائے وصال میں مصنوعی اور فانی صورتیں اور دُنیا کی سب نعمتیں حتیٰ کہ جنت بھی ہیچ نظر آتی ہے اُمید ہے کہ ان قطعات اور رباعیات کو پڑھکر ناظرین بھی میرے ہمزبان ہوکر یہی کہیں گے کہ

باغِ جناں کی تھی ہوس، اُسکی بہار دیکھکر
حشر میں ہم مچل گئے جلوۂ یار دیکھکر (حفیظ)

مینے ان بیش بہا قطعات و رباعیات کو نہ صرف ناظرین کے تفنّنِ طبع بلکہ روحانی تفریح اور بہبودی ہر دو جہاں کیلئے جمع و شائع کیا ہے۔ میں اپنی طبیعت کے اندازہ سے بوثوق کہہ سکتا ہوں کہ اُن کے سننے سے دل مؤثر ہوئے بغیر ہرگز نہیں رہ سکتا ناممکن

ہے کہ اسکے پڑھنے سے انسان دُنیا اور اس کی نمائش کو ہیچ نہ سمجھنے لگے۔ اور لہو ولعب سے نفرت نہ کرے۔ اِن پند و نصائح پر عمل کرنے سے جو ان رباعیات و قطعات میں مضمر ہیں نہ صرف سرورِ قلب، اطمینانِ دل اور عزت و آبرو حاصل ہو گی بلکہ آخرت میں بھی روح کو ابدی آرام اور معشوقِ حقیقی کا قرب اور دیدار حاصل ہو گا۔ امید کہ جس محنت و جانفشانی اور جس ایثار۔ درد خلوص کے ساتھ بیلنے ان اجزائے پریشان کی شیرازہ بندی کی ہے۔ ناظرین بھی اسی طرح ان سے لطف اور بہرہ مند ہوں گے۔ ؎

نالے سے مرے کسی کو نہ کچھ جوش ہوا | نغمہ مرا کسی کا نہ دُرِ گوش ہوا
تھی آہ میں میری بیخودی کچھ ایسی | جس نے اُسے سن لیا وہ بیہوش ہوا

میرا روئے سخن بالخصوص ان حضرات کی طرف ہے۔ جو بحرِ فصاحت کے شناور دریائے بلاغت کے پیراک گلشنِ نظم و نثر کے عنادل۔ شمعِ عرفان کے پروانے حسنِ بتاں کے متوالے لطفِ زبان کے دلدادہ۔ کانِ علم و فضل کے جوہری۔ گوہرِ سخن کے قدردان جوہرِ معنی کے پرکھنے والے۔ اور گلہائے اشعار کو طرۂ افتخار بنانے والے ہیں۔ ورنہ قدردانی کا زمانہ تو قدردانوں کے ساتھ گیا جب میر انیس جیسے یگانۂ روزگار ہستی کو ناقدری زمانہ کا شکوہ ہے۔ تجھ مجھ ناچیز کی ہستی کیا ہے ؎ میر انیس فرماتے ہیں۔

ہے آبروئے سخن کی۔ سخن سنج کے حضور | آگاہ لطفِ شعر سے ہیں صاحبِ شعور
روشن کلیم پہ ہے جو فروغِ چراغِ طور | دُونا ہے آئینہ میں رخِ مہوشاں کا نور
نیساں اگر گرے زمیں پہ تو مٹی خراب ہو | قطرہ گرے صدف میں تو دُرِّ خوش آب ہو
انساں ہوں لاکھ۔ لاکھ بشر لاکھ نکتہ داں | رنگیں سخن ہزار، ہزاروں ہیں خوش بیاں
بینا اگر نہ ہو تو سخن خود ہے رائیگاں | بے لطف ہے سخن۔ جو نہ ہو کوئی قدرداں
بیکار ہے ریاض۔ جو حاصل ثمر نہیں | عنبر بھی خاک ہے۔ کوئی خواہاں اگر نہیں
مطلوب کب ہے جس کا طلبگار ہی نہیں | بیکار ہے مسیح۔ جو بیمار ہی نہیں

بے عشق گرم حسن کا بازار ہی نہیں ۔ یوسف کی قدر کیا۔ جو خریدار ہی نہیں
بے آبرو گہر ہے ۔ اگر مشتری نہ ہو ۔ الماس سنگ ہے جو کوئی جوہری نہو

قدر دانی یا ناقدری کے سوال کو نظر انداز کرکے میں ایک اور گذارش کرنی چاہتا ہوں۔ آجکل کے مؤلفین و مصنفین کو اپنی تالیف و تصنیف شائع کرنے سے پہلے نکتہ چیں حضرات کا تختۂ مشق بننے اور اُن کی جا و بیجا ملامت سننے کیلئے تیار ہو جانا چاہئیے کیونکہ بعض معترض تو گویا پیشہ ور نکتہ چیں ہیں۔ وہ دوسروں کو نالائق اور جاہل ثابت کرکے اپنی فضیلت و برتری قائم رکھنے کیلئے ہر کتاب یا مضمون کی خوبیوں کو پس پُشت ڈالنا اور خواہ مخواہ اس میں نقائص و خرابیاں نکالنا باعث فخر سمجھتے ہیں۔

مولانا حالی مرحوم نے ایسے صاحبان کا کیا خوب خاکہ کھینچا ہے۔

باپ نے بیٹے کو سمجھایا۔ کہ علم و فضل میں ۔ جس طرح بن آئے بیٹا۔ نام پیدا کیجئے
کیجئے تصنیف اور تالیف میں سعی بلیغ ۔ اسمیں ایک اپنا پسینہ اور لہو کر دیجئے
ویجئے معنی کے نظم و نثر میں دریا بہا ۔ اور ہر سخن کی داد ہر پیر و جواں سے لیجئے
اور نہ ہو گر شعر و انشار کی لیاقت آپ میں ۔ شاعروں اور منشیوں پر نکتہ چینی کیجئے۔

خیر یہ باتیں تو جملۂ معترضہ تھیں یہ تو مصنفین و مؤلفین اور نکتہ چینوں کے راز و نیاز کی باتیں ہیں۔ اگر سچ پوچھئے تو ان کا دم بھی غنیمت ہے۔ کیونکہ ان ہی کے دم کی بدولت مصنفین اور مؤلفین پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں ورنہ جیسا جی میں آئے بے پروائی سے لکھ ماریں۔ اور ہم تو نہایت عاجزی کے ساتھ یہ کہہ دیتے ہیں ؎

ہر ایک میں عیب نکلیں گے کہاں تک
تم ہی اچھے سہی سارے جہاں سے

آخر میں اپنے قدر دانوں سے یہ عرض کرنی چاہتا ہوں کہ وہ اس کتاب میں مختلف مذاق اور مختلف قسم کی رباعیات اور قطعات پائیں گے۔ جن میں سے قریب قریب تمام

نصیحت و عبرت سے لبریز ہیں۔ بفرضِ محال اگر کوئی بات اُن کے پسندِ خاطر نہ ہو تو بمصداق خُذ مَا صَفَا وَدَع مَا کَدِر اس کو نظر انداز فرمائیں۔ اور جو بات اچھی ہو اُس کو صفحۂ دل پر لکھ کر اُس کے کاربند ہو جائیں۔ تو میں سمجھونگا کہ میری محنت وصول ہو گئی۔ اور مجھ عاصی کو خدائے بے نیاز و مکتہ نواز کی جناب میں مغفرت کے لئے یہ کہنے کا سہارا مل جائے ؎

جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی　　حقِ بندگی ہم ادا کر چلے
پرستش کی یاں تک کہ اے بت تجھے　　نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے

دُعا گو اور دُعائے خیر کا طالب
عزیز الرحمن
میر منشی۔ کلاں محل۔ دہلی

دسمبر ۱۹۲۸ء

کسی شاعر باکمال نے دو شعروں میں دُنیا بھر کی نعمتیں مانگ لی ہیں
جو کہ ناظرین کی خدمت میں بطور دُعا کے پیش کئے جاتے ہیں۔

سال و فال و مال و حال و اصل و نسل و تخت و بخت
یارب اندر ہر دو گیتی برقرار و بر دوام
سالِ خرم فالِ نیکو۔ مالِ وافر حالِ خوش
اصل ثابت۔ نسل باقی۔ تخت عالی۔ بخت رام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمدِ باری

(بہ پیرایۂ مناجات) (نظیر اکبرآبادی)

یارب ہے تیری ذات کو دونوں جہاں میں برتری ہے یاد تیرے فضل کو سب خلائق پروری
دائم ہے خاص و عام پر لطف و عطا حفظ آوری کیا انساں کیا طائر کیا وحش کیا جن و پری
پاوے ہے سب کو ہر زماں تیرا کرم اور یاوری

تو خالقِ ارض و سما تو حاکمِ قدرت نما ہے حکم تیرا جا بجا عرش تا تحت الثریٰ
برتر مقدس ذو العلا بندے ترے شاہ و گدا دنیا و دیں کی یا خدا برحق تجھی کو ہے روا
فرمانروائی حاکمی شاہی خدائی سروری

قدرت نے تیری ہر زماں لیکر زمیں تا آسماں کیا کیا بہاریں کیں عیاں کیا کیا دکھائیں خوبیاں
مرغوب رنگ آمیزیاں محبوب حسن آرائیاں حقا تری صنعت پہ ہاں ہے ختم لاریب و گماں
رنگینی و طراحی و نقاشی و صورت گری

تو قادر و سبحان ہے اقدس معلیٰ شان ہے خالق ہے اور رحمان ہے رزاق اور منان ہے
تیرا کرم ہر آن ہے احسان بے پایان ہے ہمکو یہی شایان ہے جبتک بدن میں جان ہے
ہر آن میں لاویں بجا شکرانہ و فرمانبری

جو جو ہیں تیری قدرتیں کیا کیا بیاں انکا کریں آتی نہیں کچھ فہم میں جز یہ کہ ان کو تک رہیں
کیا کیا بنائیں نعمتیں کیا کیا بنائیں رحمتیں کب شکر انکا کر سکیں لیکن یہی ہر دم کہیں
یارب ترا فضل و کرم لطف و عنایت گستری

ہے تو ہی رب العالمیں اور تو ہی خیر الراحمیں یکتائی ہے تیرے تئیں ہمسر ترا کوئی نہیں
لے آسماں سے تا زمیں سب عابد و تابعیں ہے یہ نظیر عصیاں قریں جانے ہے با صدق و یقیں
ہو گی ترے ہی فضل سے ہر جا مری کھوٹی کھری

حمد و مناجات بدرگہ قاضی الحاجات

رباعیات جناب میر ببر علی انیس اعلی اللہ مقامہ

رباعی

ہر رگ سے قدرتِ احد پیدا ہے
ہر پھول سے صنعتِ صمد پیدا ہے
سینہ ہے بشر کا وہ محیطِ ذخّار
ہر ایک نفس سے جزر و مد پیدا ہے

رباعی

گوہر کو صدف میں آبرو دیتا ہے
بندے کو بغیر جستجو دیتا ہے
انسان کو رزق گل کو بو سنگ کو لعل
جو کچھ دیتا ہے جس کو تو دیتا ہے

رباعی

صالح بھی تیرا ہے زردشت بھی تیرا ہے
کعبہ بھی تیرا۔ کنشت بھی تیرا ہے
حاضر ہے گنہگار۔ جدھر بھیج دے تو
دوزخ بھی تیرا بہشت بھی تیرا ہے

رباعی

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

رباعی

اے خالقِ ذو الفضل و کرم رحمت کر
اے دافعِ ہر رنج و الم رحمت کر
سبقت ہے سدا غضب پہ رحمت کو تری
اپنی تجھے رحمت کی قسم رحمت کر

رباعی

گلشن میں پھروں کہ سیرِ صحرا دیکھوں
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

رباعی

گذرے ہر دم مرا ارادت میں تری
گردن یہ جھکی رہے عبادت میں تری
یارب مجھے طولِ عمر دے تو لیکن
وہ عمر جو کام آئے طاعت میں تری

رباعی

دولت کی نہ خواہش ہے نہ زر چاہتے ہیں
نہ مال نہ اسباب نہ گھر چاہتے ہیں
جو مزرعۂ آخرت ہے۔ وہ خشک نہ ہو
ہاں اِک تری رحمت کی نظر چاہتے ہیں

رباعی

عزت رہے یار و آشنا کے آگے
محجوب نہ ہوں شاہ و گدا کے آگے
یہ پاؤں چلیں تو راہِ مولا میں چلیں
یہ ہاتھ اُٹھیں جب۔ تو خدا کے آگے

کونین کی دولت ہے عنایت تیری — ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری
رباعی
مستوجب دوزخ ہوں اگر عدل کرے — یارب گر بخش دے تو رحمت تیری

لائق ترے کس نے کی عبادت تیری — مجرم پہ بھی ہر دم ہے عنایت تیری
رباعی
دن حشر کا ہو تو دیکھتا ہوں میں بھی — عصیاں ہیں مرے فزوں کہ رحمت تیری

عصیاں سے ہوں شرمسار توبہ یارب — کرتا ہوں میں بار بار توبہ یارب
رباعی
نہ جرم کا پایاں نہ گناہوں کا شمار — اک توبہ کہا ہزار توبہ یارب

مہاراجہ سر کشن پرشاد بالقابہ شاد

فنا ہے سب کے لئے اس میں کچھ نہیں ہے کلام — مسافرانہ گذر ہے یہاں کسے ہے مقام
بجا ہے شاد کہو کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ — وَّیَبْقٰی وَجْهُكَ یَاذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

جناب محمد عابد علی صاحب کوثر خیرآبادی

ساجد تیرا کل جہاں ہے مسجود ہے تو — طالب ترا کن فکاں ہے مقصود ہے تو
ہر مومن و بت پرست شیدا تیرا — صدقے ترے نام کے وہ معبود ہے تو

نعت از سرآمد شاعران جناب میر محمد تقی میر

السلام اے رازدارِ داورِ جاں آفریں — السلام اے لامکاں کے حاکمِ مسند نشیں
ذات تیری جوں خدا کی ذات ہے والا صفات — بے شریک و بے عدیل و بے نظیر و بے قریں
یہ شرافت یہ سیادت یہ تقدس یہ کمال — یہ تنزہ یہ تعلی یہ تفوق سب ہے کہیں
مقصدِ دل آشنایاں مدعائے عاشقاں — آرزوئے اہلِ عرفاں مطلبِ اہلِ یقیں
وارثِ دیں داورِ عادل شفیعِ روزِ حشر — حافظِ عرشِ بریں و حامیِ شرعِ متیں
عہد تیرا عدل ہے سب ملک تیرا ہے سرور — مجرم و اندوہگیں ہوں ملتفت ہونا ضرور

مرزا محمد اسمٰعیل طپش دہلوی

الٰہی تجھ کو سب قدرت ہے بلبل کو ملا گل سے
جو قمری ہے نصیب اُسکو بھی وصلِ سرو بستاں ہو
نہ پروانہ کبھی اپنی شمع سے ہرگز جدا ہووے
سمندر بھی ہمیشہ مجمر و منقل میں سوزاں ہو
رسائی ہووے ہر ذرّہ کو بھی خورشید تک حاصل
چکوروں کو بھی ہر صورت سے قربِ ماہِ تاباں ہو

یہ جب دم مل چکیں سب طالب و مطلوب آپس میں
پھر ان سب کے تصدق سے مجھے بھی وصل جاناں ہو

مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر بالقابہم شاد

مدینہ کو چلو۔ دربار دیکھو
رسول اللہ کی سرکار دیکھو
نہ روکیں گے مجھے درباں کہ ہو نہیں
غلام احمدِ مختار دیکھو
خدا کو جانتا ہوں دل سے واحد
کہ وحدت سے نہیں انکار دیکھو
فدا ہوں نام احمد مصطفےٰ پر
وہ بیشک ہیں مرے سردار دیکھو

جناب حفیظ عظیم آبادی مخمس بر غزل حکیم آغا حسن ازل

یوں تو ظاہر میں باخدا ہیں ہم
زاہدوں کے بھی پیشوا ہیں ہم
سُن لے چپکے سے کہتے کیا ہیں ہم
طالبِ جام۔ ساقیا ہیں ہم
پر چھپا کر کہ پارسا ہیں ہم

رنج فرقت کے ہم سے اُٹھوائے
آپ سے ہم نے دُکھ بہت پائے
اب بھی تشریف آپ کیوں لائے
نزع کے وقت دیکھنے آئے
جائیے آپ سے خفا ہیں ہم

ابھی تو میں جواں ہوں

از جناب ابوالاثر حفیظ جالندھری

ہوا بھی خوش گوار ہے گلوں پہ بھی نکھار ہے
ترنّمِ ہزار ہے بہار پر بہار ہے
کہاں چلا ہے ساقیا اِدھر تو لوٹ اِدھر تو آ ارے یہ دیکھتا ہے کیا اُٹھا سبو۔ سبو اُٹھا
سبو اُٹھا۔ پیالہ بھر۔ پیالہ بھر کے دے اِدھر چمن کی سمت کر نظر۔ سماں تو دیکھ ہوش کر
وہ کالی کالی بدلیاں۔ اُفق پہ ہو گئیں عیاں وہ اِک ہجومِ میکشاں۔ ہے سوئے میکدہ رواں
یہ کیا گماں ہے بدگماں سمجھ نہ مجھ کو ناتواں
خیالِ زہد ابھی کہاں ابھی تو میں جوان ہوں

عبادتوں کا ذکر ہے نجات کی بھی فکر ہے
جنون ہے ثواب کا خیال ہے عذاب کا
مگر سنو تو شیخ جی عجیب شے ہیں آپ بھی بھلا شباب و عاشقی الگ ہوئے بھی ہیں کہیں
حسین جلوہ ریز ہوں ہوائیں عطر بیز ہوں ادائیں فتنہ خیز ہوں تو شوق کیوں نہ تیز ہوں
نگارہائے فتنہ گر۔ کوئی اِدھر۔ کوئی اُدھر اُبھارتے ہوں عیش پر تو کیا کرے کوئی بشر
چلو جی قِصّہ مختصر تمہارا نقطۂ نظر
درست ہے تو ہو مگر ابھی تو میں جوان ہوں

یہ گشت کوہسار کی یہ سیر جوئے بار کی
یہ گلرخوں کے قہقہے یہ بلبلوں کے چہچہے

کسی سے میل ہو گیا تو رنج و فکر دھو گیا کبھی جو بخت سو گیا یہ ہنس گیا وہ رو گیا

یہ عشق کی کہانیاں یہ رس بھری جوانیاں اُدھر سے مہربانیاں اِدھر سے لن ترانیاں

یہ آسمان یہ زمین نظارہائے دلنشین انھیں حیات آفریں بھلا میں چھوڑ دوں یہیں

ہے موت اس قدر قریں مجھے نہ آئے گا یقیں

نہیں نہیں ابھی نہیں ابھی تو میں جوان ہوں

نہ غم کشود و بست کا بلند کا نہ پست کا

نہ بود کا نہ ہست کا نہ وعدۂ الست کا

اُمید اور یاس گُم - حواس گم - قیاس گُم نظر سے آس پاس گُم - ہمہ بجز گلاس گُم

نہ مے میں کچھ کمی رہے قدح سے ہمدمی رہے نشست یہ جمی رہے یہی ہما ہمی رہے

وہ راگ چھیڑ مطربا - طرب افزا الم رُبا اثر صدائے ساز کا - جگر میں آگ دے لگا

ہر ایک لب پہ ہو صدا نہ ہاتھ روک ساقیا

پلائے جا پلائے جا ابھی تو میں جوان ہوں

مرزا محمد اسمٰعیل صاحب طپش دہلوی

دلمیں آتا ہے کہ اُس شوخ کی محفل میں کبھی ساتھ لیجاؤں کوئی اور طرحدار لگا

یوں کروں عرض کہ ہے جنس یہ دل کی حاضر قیمت بوسہ پہ دیتا ہوں میں ناچار لگا

آپ لینے ہیں تو لیں - ورنہ کہو دوں اسکو ساتھ پھرتا ہے کئی دن سے خریدار لگا

جناب نادر حسین صاحب نادرؔ کاکوروی

اے ساقیٔ گلعذار توبہ کی ہے لیجائیے خوشگوار توبہ کی ہے

اچھا - لا اِک گلاس پی ہی جاؤں ایسی تو ہزار بار توبہ کی ہے

ایک حسینہ اور جگنو

جناب منشی درگا سہائے صاحب سرور جہان آبادی

جگمگاتا نہ شب تار میں جگنو ہو کر — کاش رہتا مرے خاتم میں نگیں تو ہو کر
میرے ماتھے کا چمکتا ہوا جھومر ہوتا — تو مرے حسنِ دل افروز کا زیور ہوتا
کیا چمکتا ہے شب تار میں تنہا جگنو — آ۔ مری چاند سی جگنی پہ چمک جا جگنو
دے نگاہوں سے نہ دھوکا مجھے تو گم ہو کر — آ۔ مرے لب پہ چمک برقِ تبسم ہو کر
آتشِ حسن کا تو کاش شرارہ ہوتا — چھوٹے کیڑے سے مری افشاں کا ستارہ ہوتا
میرے ماتھے پہ چڑھے چاند کا ٹکڑا ہو کر — تو چمکتا مرے جوبن کا نصیبا ہو کر
کاش تو سوزِ غمِ عشق کے قابل ہوتا — چھین لیتی کسی عاشق کا اگر دل ہوتا

شب کو جھم جھم مری مٹھی میں چمکتا ہوتا
اور کھڑا تجھ کو نہ دیدہ کوئی تکتا ہوتا

جگنو کا جواب

میرے امکان میں ہوتا تو نہ جگنو ہوتا — او حسینہ تری پازیب کا گھنگرو ہوتا
یا ترے حسنِ گلو سوز کا گہنا ہو کر — شب کو گردن میں چمکتا تری کنٹھا ہو کر
اے حسینہ ترے زیور کے جو قابل ہوتا — تیری گردن میں ۔ میں چھوٹی سی حمائل ہوتا
یا قبا کا میں تری تکمۂ زرکش ہوتا — یا ترے حسن کا میں شعلۂ سرکش ہوتا
یا ہتھیلی پہ تری پارۂ اخگر ہو کر — کسی عاشق کا چمکتا دلِ مضطر ہو کر
گرمیِ سوزِ محبت سے جو تو اُف کر کے — پھینک دیتی مری حالت پہ تاسف کر کے
شعلۂ رُخ کا ترے محوِ نظارہ ہو کر — میں چمکتا کسی کونے میں شرارہ ہو کر

آتشِ شوق میں جل بجھ کے فنا ہو جاتا
تجھ پہ میں صورتِ پروانہ فدا ہو جاتا

جناب نواب حاجی محمد مصطفیٰ خان بہادر شیفتہ دہلوی

کہا کل میں نے۔ اے سرمایۂ ناز
تلوّن سے ہے تم کو مدعا کیا

کبھی مجھ پر عتاب بے سبب کیوں
کبھی بے وجہ غیروں سے وفا کیا

کبھی محفل میں وہ بیباکیاں کیوں
کبھی خلوت میں یہ شرم و حیا کیا

کبھی تمکین صولت آفرین کیوں
کبھی یہ غمزہ ہائے جانفزا کیا

کبھی شعروں سے میرے نغمہ سازی
کبھی کہنا کہ یہ تم نے کہا کیا

کبھی بے جُرم یہ آزردہ ہونا
کہ کیا طاقت جو پوچھوں میں خطا کیا

کبھی اس دشمنی پر بہرِ تسکیں
یہ پیہم جلوہ ہائے دلربا کیا

یہ سب طول اُس نے سنکر بے تکلف
جواب اِک مختصر مجھ کو دیا کیا

ابھی اے شیفتہ واقف نہیں تم
کہ باتیں عشق میں ہوتی ہیں کیا کیا

جناب عظیم الدین خانصاحب عرف بھورے خاں آشفتہ دہلوی

کل بعدِ عمر بزم میں کر اُس کی میں نے راہ
فن سے یکمیں سے اداؤں سے حیلہ سے گھات سے

پوچھا مزاج آپ کا کس چیز سے ہے خوش
قصہ سے داستاں سے حکایت سے بات سے

کہنے لگا بتائیے ہیں آپ کس سے خوش
دشنام سے طمانچہ سے گھونسہ سے لات سے

میں نے کہا ادب سے کہ جو کیجئے عطا
اپنے کرم سے لُطف سے اور التفات سے

جناب بے لاور شاہ فصیح دہلوی

گر ہوئی پی لی نہیں تو یہ تو ہے
ہر طرح بن آئی ہے اچھا تو ہے

یہ مثل پوری ہوئی مجھ پہ فصیح
مل گئی روزی نہیں روزہ تو ہے

سودائے عشق

منشی درگا سہائے صاحب سرور جہان آبادی

مئے سوزِ عاشقی کا۔ جو نصیب جام ہوتا — یہیں سحر کو بھی نہ بجھتا۔ نہ چراغِ شام ہوتا
وہ جگر کا داغ بنتا۔ دمِ حشر بھی نہ مٹتا — دل و جاں کو پھونک دیتا۔ نہ تپِ دوام ہوتا
نہ میں بجھنے والا شعلہ۔ نہ شرارِ خام ہوتا

جو ازل میں آہ بنتا۔ دلِ حق شناس مجھ کو — نہ بتوں کا عشق ہوتا۔ نہ غمِ مجاز ہوتا
نہ قلق جفا کا ہوتا۔ نہ وفا کا پاس مجھ کو — کسی چشمِ سرمگیں کا۔ نہ شہیدِ ناز ہوتا
کسی زلفِ پرشکن میں۔ نہ اسیرِ دام ہوتا

پسِ پردۂ ازل بھی ترے روشناس تھے ہم — مجھے انجمن میں لایا۔ ترا شوقِ خود نمائی
تری رہگذر میں ہوتی صفِ خلق یوں نہ برہم — تری چال میں نہ ہوتی جو یہ شانِ دلربائی
تہ قدم قدم پہ اک دِل۔ نہ دمِ خرام ہوتا

کبھی جیتے جی نہ جاتا۔ درِ بتکدہ سے اُٹھ کر — یہیں سر ٹپکتا رہتا یہیں سختیاں اُٹھاتا
تری جستجو میں پھرتا نہ بسانِ بادِ صرصر — نہ طوافِ کعبہ کرتا۔ نہ حرم میں خاک اُڑاتا
اگر ان بتوں پہ مرنا۔ نہ مجھے حرام ہوتا

تصورِ دلدار (سیّد نذیر حسین صاحب انبالوی)

تن میں جاں آتی ہے جب تم مجھے یاد آتے ہو — اس زیارت کے میں قربان۔ جلا جاتے ہو
اسکا ممنون ہوں تکلیف، جو فرماتے ہو — اِس کا شکوہ ہے۔ الگ رہ کے جو تڑپاتے ہو
دلربایانہ اداؤں کا جو آتا ہے خیال — چیخ اُٹھتا ہوں۔ کہ "بس کیوں نہیں آجاتے ہو"
دور نظروں سے ہوئے ہو۔ تو تصور بھی نہ ہو — خوش تو کر جاتے ہو۔ پہ آگ لگا جاتے ہو

دو تصویریں (جناب نادر علی خانصاحب نادر کاکوروی)

ایک مصوّر وقتِ فرصت کھینچنے بیٹھا شبیہ
کس کی؟ اک معصوم انساں ایک پاک انساں کی
چھوڑ کر لاکھوں مقدس صورتیں کیں انتخاب
پیکرِ معصومیت۔ اِک طفلک نادان کی

ہو گیا تصویر کھینچے اِک زمانہ منقضی
اور وہ کم سن مصوّر ہو گیا پیرِ ضعیف
اب خیال آیا کہ کھینچے۔ ایسے انساں کی شبیہ
جسکی بداعمالی سے ہو روح تک اس کی کثیف

اس تجسّس میں گیا وہ سوئے زنداں اور وہاں
دیکھا کالی کوٹھڑی میں پابزنجیر اک اسیر
جسکی صورت سے تھیں ظاہر اس کی بداعمالیاں
اور تھا پھانسی کا جس بدبخت پر حکمِ اخیر

کھینچکر تصویر لکھنے بیٹھا اُس کا نام تو
نوٹ بک پہ نام اس کا پہلے سے مرقوم تھا
یعنی وہ تصویریں اگلی پچھلی دونوں ایک تھیں
اور وہ پُر معصیت بڈھا۔ وہی معصوم تھا

دو بیویاں (شمس العلما خان بہادر جناب ڈپٹی نذیر احمد خانصاحب مرحوم)

شامت جو آئی اس کی۔ کیا دوسرا نکاح
سمجھا کہ چار شرع پیمبر میں ہیں مباح
آئی مگر نظر نہ کوئی صورتِ فلاح
کیا ہی بُری وہ رائے تھی اور کیسی بد صلاح

فرصت دی پھر نہ اُس کو نزاع و جدال نے
سب کچھ حرام کر دیا۔ اک اس حلال نے

ایک مشتِ استخواں

ایک مُشتِ استخواں ہیں بلکہ کچھ اس سے بھی کم
جو کہیں ہیں اپنی ہو۔ سچ تو یہ ہے اُسکا کرم
قتل گہہ میں سرنگوں خجلت زدہ بیٹھے ہیں ہم
آں شکارم من کہ لائق ہم بکشتن نیستم

شرم می آید مرا زاں کس کہ صیادِ من است

شیخ قلندر بخش جرأت

نصیحت مان لو میری نہ ہو عاشق کہیں یارو ۔ اُٹھاؤ گے بہت خواری بہت آزار دیکھو گے
لگیگی آگ سینہ میں جگر جل جائیگا غم سے ۔ بہینگے اشک آنکھوں سے فزہ خونبار دیکھو گے
مری مانند کھو بیٹھو گے دِل کو پھر نہ پاؤ گے ۔ بلا میں مبتلا دن رات جانِ زار دیکھو گے
جو آفت جو ستم جو قہر یہ تم کو دکھائے گا ۔ چلے گا کچھ نہ چارا۔ اور تم ناچار دیکھو گے

جناب میر مہدی مجروح دہلوی فرزند و شاگرد جناب میر سوز

ابھی دل پاس تھا غائب ہوا اے ہمنشیں دیکھو ۔ اِدھر دیکھو۔ اُدھر دیکھو یہیں دیکھو کہیں دیکھو
اسی کے پاس ہو رہ رہ کے جو یہ مسکراتا ہے ۔ اسی کے ہاتھ دیکھو جیب دیکھو آستیں دیکھو
پکڑنا چور کا مشکل نہیں گر کچھ سمجھ ہو رے ۔ ہوائی رنگ دیکھو۔ ماہتابی سی جبیں دیکھو

فخر الشعراء جناب میر نظام الدین ممنون دہلوی

ضعف ہو مانع تحریر۔ ولیکن قاصد ۔ اسے پیغام زبانی یہ سنانا اپنا
مثل شمع سحری۔ رہگذر شوق میں یاں ۔ دم ہے یاں ہونٹوں پہ اے ماہِ یگانہ اپنا
اگر آنا ہے تو آ۔ ورنہ کوئی دم میں اب ۔ عدم آباد کو نزدیک ہے جانا اپنا

بند خمسہ جناب داؤد وہی بر غزل جناب حالی مرحوم

گر کرے قصد کسی کام کا دل میں انساں ۔ پہلے یہ دیکھے وہ اس کام کے ہو بھی شایاں
سُنکے لوگوں سے کہ وہ آئے تھے داؤد کی ہاں ۔ خُم اُن کو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہماں
دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

جناب سید محمد مرتضیٰ صاحب شفقؔ عمادپوری

ڈھونڈھنے کو آئیں وہ گورِ غریباں میں شفقؔ — اور نشاں مدفن کا بھی میرے نہ انکو یاد ہو
ہر لحد کو ناز سے ٹھکرا کے یہ کہتے پھریں — چونک اُٹھے جو ہمارا عاشقِ ناشاد ہو
دفعتاً اک ٹوٹی پھوٹی قبر سے آئے صدا — وہ بھی ہو جائے اگر باقی کوئی بیداد ہو
ٹھوکروں سے کیجئے پامال مشتِ خاک کو — آپ کی پاپوش سے۔ مٹی مری برباد ہو

جناب حاجی عبداللہ صاحب آشفتہ از سلہٹ

وہی حال اچھا تھا آشفتہ جسمیں — وجود و عدم کا نہ رنج و محن تھا
نہ ہستی کا نام و نشاں تھا ذرا کچھ — نہ ہم تھے نہ دل نے غمِ جان و تن تھا
نہ خوفِ قیامت نہ تشویشِ دُنیا — نہ مرگ اور نہ سودائے گور و کفن تھا
نہ سر تھا نہ شورِ جنوں کی یہ شورش — نہ دل تھا نہ اُس کا یہ دیوانہ پن تھا
کُھلی آنکھ خوابِ عدم سے تو دیکھا — اجل سر پہ اور روبرو گور کن تھا

جناب عبدالغفور خاں بہادر نساخ

کافروں کی ضد سے ہو جاؤں مسلماں آخرش — جانبِ دیرِ بتاں۔ ہرگز نہ جاؤں تو سہی
پھر غمِ عشقِ بتاں میں شعلہ زن ہوئے اگر — خاک میں میں آتشِ دل کو دباؤں تو سہی
پھر بتوں کو دل نہ دوں۔ ہیں یاد سب عیاریاں — ان کو بھی۔ ان کی طرح سے آزماؤں تو سہی
اُنکی صورت۔ ہو نہ مجھ کو التفات اُنکی طرف — جس قدر مجھ کو ستایا ہے۔ ستاؤں تو سہی
ساتھ ان کے زلف کی صورت کروں کیا کیا پیچ — آخر ان کو دام میں اپنے پھنساؤں تو سہی
لاکھ چاہیں وہ نکالیں پر نہ نکلوں میں کبھی — شکلِ مردم ان کی آنکھوں میں سماؤں تو سہی

ماہِ رمضان (ماں بیٹے کے سوال و جواب)

اماں بتاؤ۔ گھر میں بے رونقی ہے کیوں ۔۔۔ چہرے پہ آج آپکے افسردگی ہے کیوں
ماما بھی کام کاج سے فارغ کھڑی ہی کیوں ۔۔۔ چولھا ہی سرد۔ دیگچی اوندھی پڑی ہی کیوں
آٹا ہی گندھ رہا ہی نہ ہنڈیا ہے چڑھ رہی
اور مچ رہی ہے پیٹ میں میرے تو کھلبلی

اے جانِ مادر۔ آج سے ماہِ صیام ہے ۔۔۔ اب دن کو اکل و شرب سراسر حرام ہے
روزوں کا مومنوں کیلئے حکم عام ہے ۔۔۔ کافر ہیں جنکو حکم میں حق کے کلام ہے
سحری کے وقت تیرے لئے میری جاں مگر
کچھ رکھ لیا تھا طاق میں دیکھ اور نوش کر

اما! نہیں ہی یاد ہیں میری اگر خطا ۔۔۔ ہر بار میں نے یہ تمہیں کہتے ہوئے سنا
رحمٰن ہے۔ رحیم ہے۔ رزاق ہی خدا ۔۔۔ اور مومنوں پہ اس کے عطیات ہیں سوا
رحمٰن ہو وہ۔ اور ہمیں یہ اذیتیں
رزاق ہو وہ۔ اور ہمیں یہ مصیبتیں

منہ آپکا ہے خشک۔ ہیں ہونٹوں پہ پپڑیاں ۔۔۔ چہرے پہ اُڑ رہی ہیں یہ دیکھو ہوائیاں
چینِ جبیں سے صاف۔ غم و غصہ ہی عیاں ۔۔۔ اعضا ہوئے ہیں فرطِ نقاہت سے ناتواں
کہتی تھیں آپ۔ دین ہیں سب سہولتیں
دیندار ہو کے کیوں۔ یہ اُٹھاتی ہو زحمتیں

کہتی تھیں آپ۔ ہی وہ خداوند بے نیاز ۔۔۔ فارغ ز آرزو و تمنا و حرص و آز
بتلایئے تو بہرِ خدا۔ پھر مجھے یہ راز ۔۔۔ کیوں مومنوں پہ دستِ تحکم ہی یوں دراز
میرا تو دُور سے ہی سلام۔ ایسے حکم کو
مجھ کو تو یا خدا۔ کبھی مومن نہ کیجیو

بٹیا خدا کے واسطے چھوڑو یہ شوخیاں — گندی کرو نہ کفر کے کلموں سے یوں زباں
نامہرباں کبھی نہیں ہوتا۔ وہ مہرباں — ہیں اُس کے ایک حکم میں سو حکمتیں نہاں

کیا میں بھی مہربجان تیری دُشمن کہاؤں گی
گر جبر سے دوا تجھے کڑوی پلاؤں گی

اماں دوا کی آپنے دی بے محل مثال — اس سے تو ہو بحال طبیعت ہو گر نڈھال
پر دیکھتا ہوں آپ کے روزوں میں یہ کمال — کرتے ہیں ضعف سے مہ کامل کو یہ ہلال

حکمت یہ خوب ہے۔ کہ قوی کو کرے ضعیف
چارہ یہ ٹھیک ہے کہ توانا بھی ہو نحیف

اے جانمن۔ ابھی تمہیں موقع نہیں ملا — اس مسئلہ پر غور و تعمق کا خوض کا
اس بات سے ہوئے نہیں تم پیارے آشنا — امراض باطنی کے لئے روزہ ہے دوا

روزہ سبیل معرفت کردگار ہے
جس پر فلاحِ ہر دو جہاں کا مدار ہے

منعم جو نام سے بھی نہ واقف ہو بھوک کے — آسودگی و عیش کی کیا قدر کر سکے
شکر خدا کی اُس کو ضرورت ہی کیا پڑے — احسانِ حق کی یاد سے کیا کام ہو اُسے

روزہ ہی قدرِ لذتِ نعمت بتائے ہے
روزہ ہی شکرِ حق کا سبق یوں پڑھائے ہے

ملتے رہیں جو آب و خورش ہم کو پیٹ بھر — برداشت ہمنے کی ہو۔ نہ تکلیف لحظہ بھر
مجبوریوں میں حال ہمارا ہو کیا نبر — عادت نہ صبر کی ہو تو جاں سے کریں گذر

روزے نے ہم کو صبر کی عادت سکھائی ہے
مجبوریوں میں جان ہماری بچائی ہے

زردے سے اور پلاؤ سے گر پیٹ ہو بھرا　　فاقہ کی تلخیوں کا نہ چکھا ہو گر مزا
پھر ہم کجا مصیبتِ فاقہ کشاں کُجا　　آہِ یتیم و نالۂ بیوہ پہ درد کیا
آگاہ ہیں جو حکمتِ حکمِ حکیم سے
ہمدردیاں ہیں ان کو غریب و یتیم سے
بیمار ہے وہ روح جو درد آشنا نہیں　　بیمار سر جو سامنے حق کے جھکا نہیں
بیمار دل ہے جس میں تحمل ذرا نہیں　　بیمار آنکھ ہے۔ جو حقیقت نما نہیں
اے جانِ من جو غور سے تم کام لو ذرا
امراضِ باطنی کے لئے روزہ ہے دوا

سراج الدین احمد

جناب منشی کرامت علی خاں شہیدی

خلوت میں پا کے اس سے کہا میں نے ایک بات　　کچھ دل میں صبر آج ذرا دیکھتا نہیں
در بند ہمنشیں کو نشے کی ہے بیخودی　　یاں کوئی میرے تیرے سوا دیکھتا نہیں
آنکھوں میں آپ شمع کے چربی ہے چھا رہی　　گُل خود ہے زرخرید ترا دیکھتا نہیں
اس پر بھی گر ہو وہم تجھے شمع گُل کروں　　اے جان پھر تو کوئی بھلا دیکھتا نہیں
بولا کہ اتنے روزوں سے صحبت تجھے ملی　　پر حیف تو مزاج مرا دیکھتا نہیں
تیرے اگر لحاظ و ادب پر پڑا نقاب　　کمبخت میری شرم و حیا دیکھتا نہیں
گُل چشمِ نیم باز سے کیا تک نہیں رہا　　پروانہ پائے شمع پڑا دیکھتا نہیں
اے بیخبر اندھیرے اُجالے کے کام کو　　دیکھے نہ دیکھے کوئی۔ خدا دیکھتا نہیں؟
دیکھیں شہیدی اس سے ہوں کس طرح کامیاب
آئینہ جس سے آنکھ ملا دیکھتا نہیں

عقدِ لندن از حضرت سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی مرحوم

ایک مس سیمیں بدن سے کرلیا لندن میں عقد | اس خطا پر سُن رہا ہوں طعنہ ہائے دلخراش
کوئی کہتا ہے کہ بس اس نے بگاڑی نسلِ قوم | کوئی کہتا ہو کہ یہ ہے بدخصال و بدمعاش
دلمیں کچھ انصاف کرتا ہی نہیں کوئی بزرگ | ہو کے اب مجبور خود اس راز کو کرتا ہوں فاش
ہوتی تھی تاکید۔ لندن جاؤ۔ انگریزی پڑھو | قومِ انگلش سے ملو۔ سیکھو وہی وضع و تراش
جگمگاتے ہوٹلوں کا جا کے نظارہ کرو | سوپ و کاری کے مزے لو چھوڑ کر یخنی و آش
لیڈیوں سے مل کے دیکھو ان کے انداز و طریق | ہال میں ناچو کلب میں جا کے کھیلو اُنسے تاش
بادۂ تہذیب یورپ کے چڑھاؤ خم کے خم | ایشیا کے شیشۂ تقویٰ کو کر دو پاش پاش
جب عمل اس پہ کیا پریوں کا سایہ ہو گیا | جس سے تھا دل کی حرارت کو سراسر انتعاش
سامنے تھیں لیڈیاں زہرہ وش و جادو نظر | یاں جوانی کی اُمنگ اور انکو عاشق کی تلاش
اُس کی چتون سحر آگیں۔ اسکی باتیں دلربا | چال اس کی فتنہ خیز اس کی نگاہیں حق پاش
وہ فروغِ آتشِ رُخ جس کے آگے آفتاب | اس طرح جیسے کہ پیشِ شمع پروانے کی لاش
جب یہ صورت تھی تو ممکن تھا کہ اک برقِ بلا | دستِ سیمیں کو بڑھاتی اور میں کہتا دُور باش
دونوں جانب تھا رگو نہیں جوشِ خون فتنہ زا | دِل ہی تھا آخر نہیں تھی برف کی یہ کوئی قاش
بارہا آتا ہے اکبر میرے دل میں یہ خیال | حضرتِ سید سے جا کر عرض کرتا کوئی کاش

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

جناب حاجی سید وحید الدین صاحب بیخود دہلوی (جانشین داغ مرحوم)

بیخود یہ رہے گی شرمساری کب تک | چھُپ چھُپ کے کروگے بادہ خواری کب تک
مطلع ثانی
کھُل کھیلئے آج مے کدے کو چلئے | نادان نبھے گی وضع داری کب تک

برقِ کلیسا (از حضرت سید اکبر حسین صاحب اکبر الٰہ آبادی مرحوم)

رات اُس مس سے کلیسا میں ہوا میں جو دوچار
ہائے وہ حسن وہ شوخی وہ نزاکت وہ اُبھار

زلفِ پیچاں میں وہ سج دھج کہ بلائیں بھی مرید
قدِ رعنا میں وہ چم خم۔ کہ قیامت بھی شہید

آنکھیں وہ فتنۂ دوراں کہ گنہگار کریں
گال وہ صبحِ درخشاں۔ کہ مَلک پیار کریں

گرم تقریر جسے سننے کو شعلہ لپکے
دلکش آواز کہ سُن کر جسے بلبل چہکے

دلکشی چال میں ایسی کہ ستارے رُک جائیں
سرکشی ناز میں ایسی کہ گورنر جھک جائیں

آتشِ حسن سے تقوے کو جلانے والی
بجلیاں لطفِ تبسم سے گرانے والی

پہلوئے حسنِ بیاں شوخیٔ تقریر میں غرق
ترکی و مصر و فلسطین کے حالات میں برق

پس گیا لوٹ گیا۔ دل میں سکت ہی نہ رہی
سر تھے تمکین کے جس گت میں وہ گت ہی نہ رہی

ضبط کے عزم کا اس وقت اثر کچھ نہ ہوا
"یا حفیظ" کیا ورد۔ مگر کچھ نہ ہوا

عرض کی میں نے کہ اے گلشنِ فطرت کی بہار
دولت و عزت و ایماں ترے قدموں پہ نثار

تو اگر عہدِ وفا باندھ کے میری ہو جائے
ساری دُنیا سے مرے قلب کو سیری ہو جائے

شوق کے جوش میں میں نے جو زباں یوں کھولی
ناز و انداز سے۔ تیوری کو چڑھا کر بولی

غیر ممکن ہے مجھے اُنس مُسلمانوں سے
بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

لن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بن کر
حملے سرحد کیا کرتے ہیں غازی بن کر

کوئی بنتا ہے جو مہدی تو بگڑ جاتے ہیں
آگ میں کودتے ہیں توپ سے لڑ جاتے ہیں

گل کھلائے کوئی میداں میں تو اترا جائیں
پائیں سامانِ اقامت تو قیامت ڈھائیں

مطمئن ہو کوئی کیونکر کہ ہیں یہ نیک نہاد
ہے ہنوز ان کی رگوں میں۔ اثرِ حکمِ جہاد

دشمنِ صبر کی آنکھوں میں لگاوٹ پائی
کامیابی کی دلِ زار نے آہٹ پائی

عرض کی میں نے کہ اے لذتِ جاں راحتِ روح
اب زمانہ پہ نہیں ہے اثرِ آدم و نوح

شجرِ طور کا اس باغ میں پودا ہی نہیں
گیسوئے حور کا اس دور میں سودا ہی نہیں

اب کہاں ذہن میں باقی ہے براق و رفرف
ٹکٹکی بندھ گئی ہے قوم کی انجن کی طرف

ہم میں باقی نہیں۔ اب خالدِ جانباز کا رنگ
دل پہ غالب ہے فقط حافظِ شیراز کا رنگ

یاں نہ وہ نعرۂ تکبیر نہ وہ جوشِ سپاہ
سب کے سب آپ ہی پڑھتے ہیں سبحان اللہ

جوہرِ تیغِ مجاہد۔ ترے ابرو پہ نثار
نورِ ایماں کا ترے آئینہ رو پہ نثار

اُٹھ گئی صفحۂ خاطر سے وہ بحثِ بد و نیک
دو دلے ہو رہے ہیں کہتے ہیں اللہ کو ایک

موجِ کوثر کی کہاں اب ہے مرے باغ کے گرد
میں تو تہذیب میں ہوں پیرِ مغاں کا شاگرد

مجھسے کچھ وجہ عتاب آپ کو اے جان نہیں
نام ہی نام ہے۔ ورنہ میں مسلمان نہیں

جب کہا صاف یہ میں نے کہ جو ہو صاحبِ فہم
تو نکالو۔ دلِ نازک سے یہ شبہ یہ وہم

میرے اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو
ہنس کے بولی کہ تو پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو

غزل قطعہ بند (میاں نظیر اکبر آبادی

کل نظر آیا چمن میں۔ ایک عجب رشکِ چمن
گل رخ و گل گوں قبا و گلعذار و گلبدن

مہر طلعت۔ زہرہ پیکر۔ مشتری و مہ جبیں
سیم بر سیماب طبع۔ سیم ساق و سیم تن

نازنین نازُ آفریں نازک بدن نازک مزاج
غنچہ لب رنگیں ادا شکر وہاں۔ شیریں سخن

تیر قد۔ نشتر نگہ۔ مژگاں سناں۔ ابرو کماں
برق ناز و رزم ساز و نیزہ باز و تیغ زن

بے مروت بے وفا بیدرد بے پروا خرام
جنگجو۔ قتال وضع و سرفراز و سر فگن

زلف و کاکل خال و خط۔ چاروں کی یہ چاروں غلام
مشک تبت مشک چیں مشکِ ختا مشکِ ختن

دوش و بر دندان و لب چاروں سے یہ چاروں خجل
نسترن۔ برگِ سمن۔ دُرِ عدن لعلِ یمن

مبتلا ایسے ہی خوش وضعوں کے ہوتے ہیں نظیر
بے قرار و دل فگار و خستہ حال و بے وطن

تضمین کلامِ اکبر از جناب سید شوکت علی صاحب شوخ دہلوی

رہیں گی قید میں آخر بچاریاں کب تک
سہیں گی ننھے سے دل پر یہ سختیاں کب تک
نہ کرنے دو گے انہیں سیرِ گلستاں کب تک
بٹھائی جائیں پردے میں بیبیاں کب تک
بنے رہو گے تم اس ملک میں میاں کب تک

بہت اکڑتے تھے جس شے پہ تم وہی نہ رہی
گھمنڈ کرنے کے قابل جو چیز تھی نہ رہی
بہادری ہوئی رخصت دلاوری نہ رہی
حرم سرا کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی
تو کام دیں گی یہ چلمن کی تیلیاں کب تک

جناب ملا حسین عباس صاحب قیصر

ہو کے شاداں دنیوی آرام سے
بے خبر کیوں ہو۔ غمِ انجام سے
ہو نہ خائف طالعِ ناکام سے
پہلے کوشش شرط ہے۔ ہر کام سے
کیوں کسی کے نیک و بد کی تجھ کو فکر
رکھ ہمیشہ کام۔ اپنے کام سے
فکرِ عقبےٰ اور حبِ دُنیوی
باز آ تو اس خیالِ خام سے
ہے یہ دُنیائے دنی دار المحن
چین کیوں کر ہو غم و آلام سے
نامور دُنیا میں اب تو ہیں وہ لوگ
ننگ رکھتے تھے جو ننگ و نام سے
جو یہاں راحت رسانِ خلق تھے
قبر میں سوتے ہیں وہ آرام سے
خوفِ خالق کا جو تیرے دل میں ہے
رہ نڈر مخلوق کے الزام سے
نیکیوں میں جن کی ہوتی ہے بسر
ڈرتے ہیں کب موت کے پیغام سے
دام میں اس کے نہ آ قیصر کبھی
ڈر ہمیشہ نفسِ نافرجام سے

تضمین از جناب داغ بر غزل عالی جناب ناظم والی رامپور

یا لب پہ کوئی قطرہ مے جم کے رہ گیا — یا کچھ عیاں ہوا اثر گرمی غذا
یا جھوٹ بولنے کی خدا نے یہ دی سزا — سوز جگر سے ہونٹ پہ تبخالہ۔ افترا
شور فغاں سے جنبش دیوار و در غلط

یہ کذب یہ دروغ۔ یہ بہتان الاماں — کیا جھوٹ بولنے کو ملی ہو نہیں زباں
شاعر ملا رہے ہیں۔ زمین اور آسماں — تو صاحب آفتاب کہاں اور ہم کہاں
احمق نہیں۔ نہ سمجھیں ہم اس کو اگر غلط

اک آہ سرد بھر کے۔ کیا طور بیخودی — اس کو یہ دم دیا کہ "تجھے جان نذر کی"
لو دینے والے ہوتے ہیں ایسے ہی تو سخی — مٹھی میں کیا دھری تھی کہ چپکے سے سونپ دی
جان عزیز۔ پیش کش نامہ بر۔ غلط

میت پہ رونے والے مقرر ہیں جا بجا — میت کو ڈھونڈھئے تو عدم تک نہیں پتا
یاں اس خیال سے کہیں ٹھیریں نہ بیوفا — ہم پوچھتے پھریں کہ جنازہ کدھر گیا
مرنے کی اپنے روزم اڑائی خبر غلط

اعلیحضرت ابوالمظفر بہادر شاہ ظفر خلد آشیاں

غافلو دل مت ادھر آٹھوں پہر باندھے رہو — تم رہو بیٹھے کہیں پر دھیان ادھر باندھے رہو
جلوہ گر ہو وہ تو بے پردہ۔ پر آئے کیا نظر — جبکہ تم غفلت کی پٹی۔ آنکھ پر باندھے رہو
گلشن دنیا نہیں جائے قیام اے غافلو — غنچہ ساں تم دوش پر رخت سفر باندھے رہو
فخر دیں نہ فخر دنیا ہے جو بس وہ فخر دیں
تم ادب سے ہاتھ اپنے اے ظفر باندھے رہو

جناب قاضی محمد صادق خانصاحب اختر حبیب انہ بگگلی

کل بن کے شیخ مجتہد عصر ساقیا — دکھلا کے سبز باغ۔ ثواب عذاب کا
کہنے لگا ز راہ تبختر مجھے بہ طنز — معلوم ہوگا حشر میں پینا شراب کا
میں نے کہا کہ میں بھی ہوں یہ خوب جانتا — پر کیا کروں کہ ہو ابھی عالم شباب کا
گستاخی ہو معاف تو اک عرض میں کروں — لیکن نہ کیجئے مجھے مورد عتاب کا
تقویٰ ہمارے آگے ہو جب آپکا درست — اور ہو یقین آپ کے اس اجتناب کا
مے اور کنج باغ ہو۔ ساقی ہو ماہوش — کوئی وہاں مخل نہ ہو باعث حجاب کا
گردنمیں ہاتھ ڈالکے وہ شوخ بیحجاب — ریش جبیں پہ جلوہ ہے رنگ خضاب کا
کھینچے ہنسی ہنسی میں وہ منہ سے ملا کے منہ — دے ذائقہ زباں کو دہن کی لعاب کا
منت سے یہ کہے۔ کہ ہمارا لہو پئیے — گر پی نہ جائے جلد۔ یہ پیالہ شراب کا
اُسوقت میں سلام کروں قبلہ آپکو — گر کچھ بھی خوف کیجئے روز حساب کا
اور امتحاں بغیر تو یہ آپ کا غلام — قائل نہیں ہے قبلہ کسی شیخ و شاب کا

جناب منشی شیخ رحیم بخش صاحب احقر لکھنوی ثم کانپوری

شرم تھی آنکھ میں پردے سے نکلتے کیوں کر — نہ سہی شرم۔ نزاکت ہی سہی۔ چلتے کیوں کر
نہ نزاکت سہی۔ مہندی وہ لگائے ہوں گے — آکے تلووں سے۔ دل زار کو ملتے کیوں کر
نہ سہی مہندی۔ کسی غیر سے وعدہ ہوگا — صادق القول ہیں وعدے کو بدلتے کیوں کر
نہ سہی وعدہ لٹیں شانوں پہ بکھری ہوں گی — بوجھ اُٹھا کر جو وہ چلتے۔ تو سنبھلتے کیوں کر
نہ کھلی لٹ ہی سہی۔ گیسو وہ بناتے ہوں گے — کنگھی چوٹی کے وہ پیچوں سے نکلتے کیونکر
لو فرضا کہ نکلتے بھی تو رعنائی سے — مونگ چھاتی پہ رقیبوں کی وہ دلتے کیونکر

جناب صوفی محمد اکبر خانصاحب وارثی اکبر میرٹھی

ایک بچہ جسکی ماں کا ہوگیا تھا انتقال
میرے پاس آیا کہیں سے روتا دھوتا ایک دن

اور کہا رو رو کر کہ ماں کو ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں
کھانا تک کھایا نہیں ہے صاف گذرا ایک دن

چھوڑ کر بیکس خدا جانے کہاں رخصت ہوئی
ہے بہت مشکل مجھے بے ماں کے جینا ایک دن

تم سے ملجائے تو کہنا مجھ کو بھی لیجائے ساتھ
یا چلی آئے وہاں سے رہ کے دو یا ایک دن

کیسی بستی ہے وہ. کیسے گھر ہیں. کیسے لوگ ہیں
تو نے تو جا کر وہاں خط بھی نہ لکھا ایک دن

پیار کرتی منہ دھلاتی. کپڑے پہناتی تھی روز
یوں پھٹے کپڑوں سے میں رہتا نہیں تھا ایک دن

کون چمکارے مجھے اب. کون لے آغوش میں
خواب میں بھی تو نے حال آ کر نہ پوچھا ایک دن

اپنے سینے سے کبھی اکدم نہ کرتی تھی جدا
اب یہ تنہا بیکسی میں کیسے چھوڑا ایک دن

اب نہیں کرنیکا ضد اب کچھ نہ مانگونگا کبھی
خستہ حالی پر مری آ رحم فرما ایک دن

اب نہیں رونے کا رونے سے خفا ہے تو اگر
آ کبھی اماں گود میں لے لے مجھے آ ایک دن

تجھ کو ہے میرے ہاں کٹتے ہیں کیسے روز و شب
مجھ کو ہے تیرے یہاں ہے سو برس کا ایک دن

اے خدا ایسے یتیم بے نوا پر رحم کر
یہ دعا کی اور اکبر خوب رویا ایک دن

جناب حافظ مولوی قلندر بخش صاحب نیرک پانی پتی

نیرک کل ایک سمت کو میں شکل خستہ دل
جاتا تھا نا گہاں وہ پری رو ملا مجھے

فی الفور میں نے دیکھتے ہی اس سے عرض کی
کب تک رکھے گا رنج میں تو مبتلا مجھے

سنتے ہی یہ جواب میں بولا وہ تند خو
صحبت سے تری رنج نہیں ہے ذرا مجھے

لیکن یہ ڈر ہے اپنی محبت کے واسطے
ایسا نہ ہو سکھائے تو مہر و وفا مجھے

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین صاحب حالی

اے بہارِ زندگانی الوداع — اے شباب اے شادمانی الوداع
اے بیاضِ صبحِ پیری السّلام — اے شبِ قدرِ جوانی الوداع
روزگارِ ضعف و سستی الصّلا — وقتِ سعی و جانفشانی الوداع
فرصتِ عشق و جوانی الفراق — دورِ عیش و کامرانی الوداع
تجھ کو سمجھے تھے نعیمِ جاوداں — اے نعیمِ جاودانی الوداع
آ لگا حالی کنارے پر جہاز
الوداع اے زندگانی الوداع

لسان العصر جناب سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی مرحوم

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر — مجھے تو اُن کی خوشحالی سے ہے یاس
یہ عاشق شاہدِ مقصود کے ہیں — نہ جائیں گے ولیکن سعی کے پاس
سناؤں تم کو اک فرضی لطیفہ — کیا ہے میں نے جس کو زیبِ قرطاس
کہا مجنوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے — کہ بیٹا تو اگر کر لے ایم اے پاس
تو فوراً بیاہ دوں لیلیٰ کو تجھ سے — بلا دقت میں بن جاؤں تری ساس
کہا مجنوں نے یہ اچھی سنائی — کجا عاشق کجا کالج کی بکواس
کجا یہ فطرتی جوشِ طبیعت — کجا ٹھونسی ہوئی چیزوں کا احساس
بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ — ہرن پر لادی جاتی ہے کہیں گھاس
یہ اچھی قدردانی آپ نے کی — مجھے سمجھا ہے کوئی ہرچنداس
دل اپنا خون کرنے کو ہوں موجود — نہیں منظور مغزِ سر کا آماس
یہی ٹھہری جو شرطِ وصلِ لیلیٰ — تو استعفا مرا با حسرت و یاس

مرزا قادر بخش صاحب صابر گورگانی

ہم ہو لطفِ شبِ وصل تو تھا ہی کہ مجھے　　　یہ گماں تھا کہ رہی کچھ نہ تمنا باقی
پر کہوں کیا دمِ رخصت جو مزہ تھا کہ مرے　　　دل میں ارمان ہے اُس لطفِ ادا کا باقی
رات بھر جاگنے سے نیند کا آنکھوں میں خمار　　　اور کچھ کچھ اثرِ نشۂ صہبا باقی
بھینی بھینی سی وہ رنگت وہ پریشاں ترکیب　　　لب پہ بدرنگ سا کچھ پان کا لاکھا باقی
آنکھ کے ڈوروں میں کم کم سی وہ سُرخی کی نمود　　　تھوڑا تھوڑا سا ایک انداز سے سُرما باقی
ایک اک گام پہ بل موئے کمر میں سو سو　　　کا ٹنا شاق نزاکت سے وہ رستا باقی
اب نہ وہ شب کا مزہ اور نہ وہ صبح کا لطف　　　رہ گیا اک کفِ افسوس کا ملنا باقی

نواب امین الدولہ مہر لکھنوی

اُٹھائیں گے تعمیر مرقد کی اک دن　　　عماراتِ عالی اُٹھانے سے حاصل
سوائے کفن جسم میں کچھ نہ ہوگا　　　لباسِ تکلف دکھانے سے حاصل
یہی ہے کہ نوبت بجی مقبرے پر　　　سوا اس کے نقارخانے سے حاصل
جنازہ اُٹھے گا بصد یاس و حسرت　　　سواری کی دھومیں مچانیسے حاصل
سلائیں گے تابوت میں تجھ کو اک دن　　　چھپر کھٹ میں آرام پانیسے حاصل
ملے گا کسی تکیہ میں فرشِ خاکی　　　سرِ فرش مسند پر آنے سے حاصل
ملے خاک میں کیقباد و سکندر　　　سرِ کبر و نخوت اُٹھانیسے حاصل
نہ جم ہے نہ وہ جامِ عالم نما ہے　　　طلسم اے فلک ہاتھ آنیسے حاصل
ہوس لے گئے ساتھ شدّاد و قاروں　　　امارت سے حاصل خزانیسے حاصل
نہ کام آئے گا غیر نقدِ عمل کچھ　　　زمانے کا محصول پانے سے حاصل

پپیہا

(سید امجد حسین صاحب حیدر آبادی)

پپیہے او پپیہے! تو یہ کیوں آنسو بہاتا ہے
مری ہاں پر تیری پی پی کس لئے رہ رہ کے آتا ہے
صدائے دردِ غم۔ کیوں دردمندوں کو سناتا ہے
جو خود ہی جل رہا ہو اور کیوں اُسکو جلاتا ہے

کاٹوں توری چونچ پپیہے۔ ڈالوں وا پہ نون
میں پیو کی۔ اور پیو مورا۔ تو پی کہے سو کون

شمیمِ زلفِ عنبر بیز۔ پھیلاتا ہے کیوں ظالم
تجھے افشائے رازِ دوستاں بھاتا ہے کیوں ظالم
مرے آگے ترانہ عشق کا گاتا ہے کیوں ظالم
کسی کا نام لیکے یہ چلاتا ہے کیوں ظالم

کاٹوں توری چونچ پپیہے۔ ڈالوں وا پہ نون
ہیں پیو کی اور پیو مورا۔ تو پی کہے سو کون

غمِ آرامِ جاں ہیں۔ اور بے آرام کرتا ہے
رموزِ خاصِ عشق و عاشقی کیوں عام کرتا ہے
سرِ بازار نامِ یار۔ کیوں بدنام کرتا ہے
کسی کا راز کیوں کم بخت طشت ازبام کرتا ہے

کاٹوں توری چونچ پپیہے۔ ڈالوں وا پہ نون
ہیں پیو کی اور پیو مورا۔ تو پی کہے سو کون

اندھیری رات میں تو نکو جو بکا دے نہ چلا کر
برنگِ بوئے گل نادان جامے سے نہ ہو باہر
اری ننھی سی چڑیا! جان ننھی سی زباں گز بھر
چڑھا دیگا کوئی منصور کے مانند سولی پر

کاٹوں توری چونچ پپیہے۔ ڈالوں وا پہ نون
ہیں پیو کی۔ اور پیو مورا۔ تو پی کہے سو کون

ہے باغِ جہاں میں تجھے گر ہمتِ عالی
کر گردنِ تسلیم کو خم اور زیادہ
لیتے ہیں ثمر شاخِ ثمر ور کو جھکا کر
جھکتے ہیں سخی وقتِ کرم اور زیادہ
جو کنجِ قناعت میں ہیں تقدیر پہ شاکر
ہے ذوق برابر انھیں کم اور زیادہ

دولت و حرص

(جناب پنڈت برج نرائن صاحب چکبست لکھنوی)

جو لوگ کہ حرص سے دُنیا میں ہیں سرشار — جینے کی لطافت سے نہیں اِن کو سروکار
مانندِ گدا زر کے ہیں ۔ ہر وقت طلب گار — آزاد کہاں؟ دامِ طمع میں ہیں گرفتار
محروم کہ عیش سے یہ خستہ جگر ہیں — مالک نہیں زر کے ہیں فقط بندۂ زر ہیں

دولت وہ ہے مجبور کی جو عقدہ کُشا ہو — اکسیر ہو دردِ دلِ بیکس کی دوا ہو
آئینۂ اخلاق و محبت کی جلا ہو — ظلماتِ فلاکت کے لئے آبِ بقا ہو
یوں فیض کے چشمے ہوں رواں باغِ وطن میں — جیسے کرمِ ابرِ گہر بار چمن میں

دُنیا کا ہو گیا ہے ۔ یہ کیسا لہو سفید — اندھا کئے ہوئے زر و مال کی اُمید
انجام کیا ہو ۔ کوئی نہیں جانتا یہ بھید — سوچے بشر تو جسم ہو لرزاں مثالِ بید
لکھی ہے کیا حیاتِ ابدان کے واسطے — پھیلا رہی ہیں جال یہ کس دن کے واسطے

یہ جال یہ فریب ۔ یہ سازش ۔ یہ شور و شر — ہوتا جو ہے ۔ یہ اس کے بہانے ہیں سربسر
اسباب ظاہری ہیں ۔ نہ ان پر کرو نظر — کیا جانے کیا ہو ۔ پردۂ قدرت میں جلوہ گر
خاص اسکی مصلحت کوئی پہچانتا نہیں — منظور کیا اُسے ہے ۔ کوئی جانتا نہیں

تسلّی و تشفّی

(چکبست لکھنوی)

پڑتا ہے جب غریب پہ رنج و محن کا بار — کرتا ہے اُس کو صبر عطا آپ کردگار
مایوس ہو کے ہوتے ہیں انساں گناہگار — یہ جانتے نہیں ۔ وہ ہے دانائے روزگار
انسان اس کی راہ میں ثابت قدم رہے — گردن وہی ہے ۔ امرِ رضا پر جو خم رہے

اپنی نگاہ ہے ۔ کرمِ کارساز پر — صحرا چمن بنے گا ۔ وہ ہے مہرباں اگر
جنگل ہو یا پہاڑ ۔ سفر ہو کہ ہو حضر — رہتا نہیں وہ حال سے بندے کے بےخبر
اُسکا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں — دامانِ دشت دامنِ مادر سے کم نہیں

جناب انشاء اللہ خاں صاحب اِنشا دہلوی

مجھے کیوں گالیاں دیتے ہو ہجے کر کے ناحق کو
ارے مکتب کے لڑکو۔ ایں بھلا یہ کیا شرارت ہے

ابھی سے مت نکالو لام و کاف اپنی زبانسے تم
الف بے یاد تو کر لو بھلا یہ کون بابت ہے

بھلا آخوند جی کو آنے دو اُن سے کہونگا میں
کہ حضرت سلامت آپ سنیئے یہ حقیقت ہے

دیا ہے پاؤں شوخی میں یہ شاگردوں نے صاحب کے
جہاں چھٹی ملی ان کو تو اک برپا قیامت ہے

کسی کا منہ چڑا جانا کسی کو بے نقط کہنا
سدھارے آپ جب مسجد سے یاں ہوتی قیامت ہے

کتابوں پر بڑے دھکڑ بجے ہیں سانٹھوں کے
اگر چھپ کر نظر کیجے تو یاں کچھ طرفہ صحبت ہے

مراتب غوث کا ملنا ہے اجزائے گلستاں کو[ف]
بچارے شیخ سعدی کی یہاں ہوتی فضیحت ہے

ابلو آتے ہیں نیلا کھیس اوڑھے سامنے سے وہ
غرض تم صاحبونکی خوب اب ہوتی ضیافت ہے

نہیں تو کچھ مجھے دینے کہو سب ملکے ایسے میں
مزے سے کھیلو۔ کودو۔ لوٹو۔ پوٹو۔ پھر فراغت ہے

بدلکر قافیہ انشاء غزل اب اور کوئی پڑھ
خدا کے فضل سے تجھکو فصاحت ہو بلاغت ہے

جناب خواجہ الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی

بڑھاؤ نہ آپس میں اُلفت زیادہ
مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ

کرو دوستو پہلے آپ اپنی عزت
جو چاہو کریں لوگ عزت زیادہ

نکالو نہ رخنے نسب میں کسی کے
نہیں کوئی اِس سے رذالت زیادہ

فراغت سے دُنیا میں دم بھر نہ بیٹھو
اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ

جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زباں سے
نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ

مصیبت کا اِک اِک سے احوال کہنا
مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ

غزل میں وہ رنگت نہیں تیری حالی
الاپیں نہ بس آپ دھرپت زیادہ

ف مشہور ہے کہ جمعرات کے دن ذکر کے وقت غوث کے سب اعضا جدا جدا ہو جاتے ہیں ۱۲

خطاب بہ دوستِ بے پروا

تم ہو، بزمِ عیش ہے وہاں ۔ اور صحبت ناریاں ہم ہیں کنجِ غم ہے یاں اور جان سے بیزاریاں
تمکو سیرِ باغ و گلگشتِ چمن کا واں ہے شوق یاں بدن پر ہیں ہجومِ داغ سے گلکاریاں
دھیان ہے آرائشِ زلفِ پریشاں کا نہیں یاد ہیں حالِ پریشاں کی مرے کچھ خواریاں
یہاں برنگِ پیکرِ تصویر ہم خاموش ہیں گفتگو کی تم دکھاتے ہو وہاں طراریاں
قہقہے تم مارتے ہو ۔ وہاں بآوازِ بلند دشمنوں سے یاں چھپا کر ہم ہیں کرتے زاریاں
ضبطِ اے دل سے بے پردہ ہو ایہاں رازِ عشق سوجھتی ہیں واں نہیں ہر بات میں تہ داریاں
کیا کسی سے بات کیجے ۔ بھولتی اک دم نہیں اُن بھلاؤوں سے وہ باتوں میں تری عیاریاں

دوستوں کی قسمیں

دوست ہوتے ہیں جہاں میں اے عزیز دو طرح کے ان میں دائم کر تمیز
ایک تو ہوتے ہیں دولت کیلئے گرد ہیں وہ تیرے ثروت کے لئے
مکھیاں ہیں چاہیے جتنا تو ہٹا پیچھا وہ ہرگز نہ چھوڑیں گے ذرا
مال ہے جبتک نہ جائیں گے کبھی جب گئی دولت نہ آئیں گے کبھی
دم میں تو اُن کے نہ ہرگز آئیو داؤں اِن اجلاف سے مت کھائیو
بندۂ زر ہیں نہ منہ اُن کو لگا دے جواب اُن کو ٹکا سا برملا
دوسرے ہیں دوست تیری جان کے پیار کرتے ہیں تجھے تیرے لئے
جوہر اُن میں ہیں محبت کے بھرے خوں پسینے پر گرائیں گے ترے
دیتے ہیں دم دوست پر وہ دمبدم ایسے ہوتے ہیں مگر دُنیا میں کم
دم ورم سے تو نہ کر اُن سے دریغ بزم میں گل ۔ رزم میں ہونگے وہ تیغ

قطعہ

اگر وہ شعلہ رو پوچھے مرے لگتے پھپھولوں کو
تو اُس کے سامنے ایک خوشۂ انگور لیجانا
جو یہ پوچھے کہ اب کتنی ہوا سکے رنگ پر زردی
تو یارو تم گلِ صدبرگ یا کافور لے جانا
اگر پوچھے میرے سینہ کے زخموں کو تو اے یارو
کہیں سے ڈھونڈھ کر ایک خانۂ زنبور لیجانا
رقیب روسیہ کے حال کا گر ماجرا پوچھے
تو اُس کے سامنے جنگل سے اک لنگور لیجانا

گلاب کا پھول

(سید علی حیدر طباطبائی۔ متخلص نظم لکھنوی)

گلگشت باغ میں نظر آیا یہ صبحدم
اک گل فراز شاخ چمن اشکبار ہے
پوچھا یہ مینے دیکھ کے اُسکا فروغ حسن
کس نازنین کا تو چراغ مزار ہے
معلوم ہو رہا ہی گریباں کے چاک سے
شاید کسی کی خاک پہ تو سوگوار ہے
کہنے لگا کرے کوئی ماتم کسی کا کیا
اپنی ہی زیست کا نہیں کچھ اعتبار ہے
مینے کہا ہمیشہ رہے یہ ترا شباب
کہنے لگا کہ چشم زدن کی بہار ہے
پوچھا یہ مینے کان میں آتی ہو کیا صدا
بولا اجل اجل کی جہاں میں پکار ہے
پوچھا برنگ شعلہ تو لرزاں ہو کس لئے
بولا جگر میں زخم ہے پہلو میں خار ہے
میں نے کہا کہ زخم جگر کا ہو کیا سبب
کہنے لگا کہ تیغ قضا سے فگار ہے
میں نے کہا پھری یہ چھری کس گناہ پر
اُس نے کہا مشیت پروردگار ہے
پوچھا یہ رو کے مینے کچھ اس کا نہیں علاج
بولا یہ ہنس کے وہ مجھے کیا اختیار ہے
میں نے کہا کہ حیف تو کہنے لگا کہ حیف
جائے قرار یاں ہے نہ پائے قرار ہے

جناب قاضی حمید الدین صاحب حمید کوٹلوی

کیوں ضد ہو برہمن کو شیخ حرم نشیں سے — کیا شیخ کا بُرا ہے۔ مندر کی آرتی ہیں
تیرتھ ہو گیا بتوں کا۔ من کی اجودھیا ہیں — پرم آتما کی مایا۔ رکھی ہو سب کے جی ہیں
ہر گھٹ میں رام جی ہیں۔ او رام نام والو — کیوں مرنے ہے ہونا حق ایک جنگ زرگری ہیں
ساری جہاں کی قومیں۔ کچھ کام کر رہی ہیں — تم پھنس رہے ہیارو۔ کس وردِ نارسی ہیں
توحید ہی کا قشقہ۔ پنڈت کی ہے جبیں پر — طرہ ہے حق کی وحدت۔ دستار مولوی ہیں
یار و عدو نہیں ہیں۔ ہیو د سب ہماری — پنہاں نجات سب کی ہے۔ صلح و آشتی ہیں
آپس کی الفتوں ہیں۔ گر گیان ہے ہمارا — سب کچھ ملیگا ہم کو۔ دانش کی آگہی ہیں
ہے کسقدر مصیبت۔ بدلا ہے کیا زمانہ — جانِ حمید نالاں۔ ہے سخت بیکسی ہیں

در محفلیکہ یاراں۔ شرب مدام کردند
چوں نوبتِ بماشد آتش بجام کردند

جناب وفا

کیا کہوں میرے ارادوں کی بلندی کیا ہوئی — کیا بتاؤں آہ وہ رفعت پسندی کیا ہوئی
ہیں گرفتارِ محن۔ پابند زنجیرِ الم — سینۂ صد چاک میرا مرجع تیرِ الم
روزگارِ عیش میرے سازگاروں میں نہیں — نغمۂ عشرت مرے بربط کے تاروں میں نہیں
خوں رلاتی ہو مجھے کالی گھٹا برسات کی — چھیڑتی ہے دل کے چھالوں کو ہوا برسات کی
آہ اس درجہ تو اپنی خستہ حالی ہو گئی — شوکتِ اسلاف ماضی احتمالی ہو گئی
اس پہ چرخِ کینہ پرور کی ستم کوشی بھی دیکھ — یہ ستم کوشی بھی دیکھ اور میری خاموشی بھی دیکھ

آہ۔ اب ہمتو جہاں سے شاد ہونے سے رہے
بندِ غم سے حشر تک آزاد ہونے سے رہے

قطعہ

ہم نے کل عین قدح نوشی میں ساقی سے کہا — کیوں ہوا جاتا ہے افسردہ تو باغِ خوبی
کیا شگفتہ نہیں کر سکتا تجھے صحنِ چمن — کیا شبِ مہ میں نہیں کھلتی ترے دل کی کلی
دلکشا دیکھ تو منظر ہے یہ کیسا لبِ جُو — جانفزا دیکھ تو ہے چاندنی یہ کیسی کھلی
مہوشوں کا یہ ذرا دیکھ تو نازو انداز — مہ جبینوں کی ذرا دیکھ تو یہ عشوہ گری
ان کی یہ نیچی نگاہیں یہ تبسم۔ یہ حیا — اُن کا یہ بن کے بگڑنا۔ یہ لگاوٹ شوخی
دلربا اُن کا ہر اک بات پہ یوں ہنس پڑنا — جاں ستاں ان کی یہ آغوش میں سیماب وشی
گر نہ اس پر بھی ہو تو شاد تو ہے ہے یہ غضب — گر نہ ہو اس پہ شگفتہ تو ہے حیرت کیسی
دلِ پُر درد نے اک آہ کی اور کہنے لگا — کیا کہوں ہائے جو اسوقت ہے حالت اپنی
دل بیتاب میں باقی نہیں اب صبر و سکوں — منہ کو آتا ہے کلیجہ۔ ہے یہ کچھ جاں پہ بنی
کھول کر دیکھ ذرا چشمِ بصیرت غافل — پھر کہیں کا نہ رکھے گی تجھے غفلت تیری
ہم نے مانا کہ تجھے آج ہے سب کچھ حاصل — ہم نے مانا ہے حکومت ترے گھر کی لونڈی
مے عشرت ہے ترے جام میں مانا ہم نے — ہم نے مانا کہ میسر ہے تجھے عیش و خوشی
مہ و بر و تیرے حسینوں کا ہے جھرمٹ مانا — تیرے پہلو میں ہے مانا کہ ہر اک حور و پری
یہ تو سب کچھ سہی لیکن تجھے معلوم بھی ہو — مے عشرت کا یہ ساغر ہے چھلکنے کو ابھی
صورتِ سایہ حکومت ہے۔ یہ ڈھل جائیگی — موت ہے گھات لگائے وہ الگ سر پہ کھڑی
نقش بر آب ہے سب اس پہ تو مغرور نہ ہو — دیکھ تو کیا ہے حبابِ لبِ جُو کی ہستی
کچھ رہے گا نہ یہاں موجِ فنا سے باقی — کام آئے گی مگر ایک عمل کی کشتی

رستخیز و ہمہ شر ورز تو برآید ہمہ خیر
بد و نیک ہست مکافات ز نیکی و بدی

کیا ہیں؟

حقیقت لیڈروں کی میں نے پوچھی میر صاحب سے
کہا بے راہبر ہیں۔ خود نما۔ صاحب۔ مگر ٹٹو

کہا ارکانِ مسلم لیگ کیسے ہیں تو فرمایا
مہذب۔ دردمندِ قوم۔ پالیسی مگر دو رُو

کہا ارشاد ہو متولیانِ وقف کیسے ہیں
کہا نفلی سخی۔ شیدائے حرفِ زر۔ مگر ڈاکو

جو میں نے آجکل کے شاہ صاحب کی صفت پوچھی
کہا خوش وضع۔ خوش خو۔ نرم دل پر حرص کے ٹٹو

جو پوچھا میں نے اُنسے قُل اعوذی مولوی کیسے
تو فرمایا۔ کہ فربہ۔ معتبر۔ واعظ۔ مگر پیٹو

کہا کچھ شاعروں کی منقبت فرمایئے حضرت
کہا نثار۔ ناظم زندہ دل۔ عشقِ خیالی پر مگر لٹو

خطاب بہ عشق

(شمس العلماء مولانا حالی۔ پانی پتی)

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سر اُٹھایا۔ اسکو بٹھا کے چھوڑا

ابرار تجھ سے ترساں۔ احرار تجھ سے لرزاں
جو زد پہ تیری آیا۔ اس کو گرا کے چھوڑا

راجوں کے راج چھینے شاہوں کے تاج چھینے
گردن کشوں کو اکثر۔ نیچا دکھا کے چھوڑا

کیا منعموں کی دولت کیا زاہدوں کا تقویٰ
جو گنج تو نے تاکا۔ اُس کو لُٹا کے چھوڑا

جس رہ گذر میں بیٹھا۔ تو غولِ راہ بن کر
صنعاں سے راست رو کو۔ رستہ بھلا کے چھوڑا

فرہاد کوہکن کی۔ لی تو نے جان شیریں
اور قیس عامری کو۔ مجنوں بنا کے چھوڑا

یعقوبؑ سے بشر کو دی تو نے ناصبوری
یوسف سے پارسا پر بہتان لگا کے چھوڑا

لاگ اور لگاؤ دونوں ہیں دلگداز تیرے
پتھر کے دل تھے جن کے اُنکو رُلا کے چھوڑا

عقل و خرد نے تجھ سے کچھ چپقلش جہاں کی
عقل و خرد کا تو نے۔ خاکہ اُڑا کے چھوڑا

اِک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا
اُس کے بھی دل پہ آخر۔ چرکا لگا کے چھوڑا

مخمس امانت لکھنوی

دلِ ہر گھڑی کے خوف و خطر سے نکل گیا   وردِ غمِ فراق جگر سے نکل گیا
شکرِ خدا عدو کے ہیں شر سے نکل گیا   لڑ کر رقیب یار کے گھر سے نکل گیا
مریخ آج بُرجِ قمر سے نکل گیا

اُس نے کہا کہ حال کچھ اپنا بیاں کرو   کیا میرے عشق نے ترے دل میں کیا اثر
میں بولا کیا عشق کا نزا دھیان ہے کدھر   اُلفت کا راز اُس سے چھپایا تو تھا مگر
آنسو تھما نہ دیدۂ تر سے نکل گیا

دیوانہ کر دیا ہے دلِ بیقرار نے   جاتا ہوں بار بار میں در پر پکار نے
پکا کیا ہے اُس کو کسی پختہ کار نے   دو ہرا مکاں بنایا ہے رشکِ نگار نے
میں جب ادھر گیا وہ اُدھر سے نکل گیا

مخمس امانت بر غزل میر تقی میر

میری وحشت کا جو کچھ حال سُنا میرے بعد   ہو گیا جوشِ جنوں اور سوا میرے بعد
سُونا جنگل جو نظر اُس کو پڑا میرے بعد   آکے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد
نہ رہی دشت میں خالی کوئی جا میرے بعد

باغِ عالم میں وہ بلبل ہوں کہ ہوں جانِ چمن   میں نہ ہونگا تو نہ ہوگا کوئی خواہانِ چمن
پھاڑ ڈالیں گے گریباں کو جوانانِ چمن   منہ پہ رکھ دامنِ گل روئینگے مرغانِ چمن
باغ میں خاک اُڑائیگی صبا میرے بعد

کیا کہوں اُس سے ابھی ہے وہ نہایت کمسن   یاد کا ہیکو رہیں گے اُسے طفلی کے یہ دن
سب پہ ظاہر کیے دیتا ہوں یہی حالِ باطن   اب تو ہنس ہنس کے لگاتا ہے وہ مہندی لیکن
خوں رُلائے گا اُسے رنگِ حنا میرے بعد

خاقانی ہند جناب ذوق

وہ صبح کو آئے تو کروں باتوں میں دوپہر
اور چاہوں کہ دن تھوڑا سا ڈھل جائے تو اچھا
ڈھل جائے جو دن بھی تو اسی طرح کروں شام
اور پھر کہوں گر آج سے کل جائے تو اچھا
جب کل ہو تو پھر وہ ہی کہوں کل کسطرح سے
گر آج کا دن بھی یونہی ٹل جائے تو اچھا
القصہ نہیں چاہتا میں جائے وہ یاں سے
دل اُس کا یہیں گرچہ بہل جائے تو اچھا

ہے قطع رہِ عشق میں اے ذوق ادب شرط
جوں شمع تو اب سر ہی کے بل جائے تو اچھا

جناب کنور جسونت سنگھ صاحب پروانہ

دیکھ تو ہم سے راست بازوں سے
تو نے آخر یہ کج ادائی کی
ہم سے رکھ غبار خاطر میں
جا کر اغیار سے صفائی کی
اے دل آزار تو ہی کر انصاف
ہے یہی طرز دلربائی کی
عہد کیا کیا تھے۔ اور قول و قرار
آہ! تس پر بھی بے وفائی کی

غرور و تکبّر

فخر بکری نے کیا میرے سوا کوئی نہیں
میں ہی میں ہوں اس جہاں میں دوسرا کوئی نہیں
جب نہ چھوڑی میں میں اس نے مایۂ بے اسا نے
پھیر دی گردن پہ تنگ آ کر چھری قصاب نے
گوشت۔ ہڈی اور چمڑا جو تھا جسم زار میں
کچھ پکا۔ کچھ پھک گیا۔ کچھ بک گیا بازار میں
اب رہیں آنتیں فقط "میں میں" سنانے کے لئے
لے گیا نداف اُنھیں دُھنکی بنانے کیلئے

تانت پر پڑنے لگیں چوٹیں تو گھبرانے لگی
"میں" کے بدلے "تو ہی تو" کی پھر صدا آنے لگی

شکوہ جدائی

عاشق کہیں معشوق سے کرتے ہیں کنارا
بلبل کو کبھی گل کی جدائی ہے گوارا
قمری بجز سرو چمن کون ہے پیارا
گردن سے کبھی طوق غلامی نہ اتارا
سرتن سے جدا ہو پہ نہ جانانہ جدا ہو
اندھیر ہے گر شمع سے پروانہ جدا ہو

گر شام کو خورشید نہاں ہونا ہی بہلے
تو دیکھتے ہیں لوگ کم سے صبح کو سالے
گردن کو چھپے تسکو نکلتے ہیں ستارے
تو کونسی بدلی میں ہوا ے چاند ہمارے
حیرت ہے میرے دیدۂ دیدار طلب کو
جلوہ ترا دن کو نظر آتا ہے نہ شب کو

جناب مضطر خیرآبادی

وفا کیا کر نہیں سکتے ہیں وہ لیکن نہیں کرتے
کہا کیا کر نہیں سکتے ہیں وہ لیکن نہیں کرتے
مسیحائی کا دعویٰ اور بیماروں سے یہ غفلت
دوا کیا کر نہیں سکتے ہیں وہ لیکن نہیں کرتے
کبھی داد محبت دیجے حق میری وفاؤں کا
ادا کیا کر نہیں سکتے ہیں وہ لیکن نہیں کرتے
کہیں ہیں بچ نہ جاؤں اس لئے چپ ہیں تم آخر
دعا کیا کر نہیں سکتے ہیں وہ لیکن نہیں کرتے
دل مضطر کو قید دام گیسوئے پریشاں سے
رہا کیا کر نہیں سکتے ہیں وہ لیکن نہیں کرتے

تضمین بر شعر جناب غالب دہلوی

لی ضمانت گر عسس نے ہمنوا مانا یوں سہی
شہر کے حاکم نے بھی پہرے میں رکھا یوں سہی
خیر قاضی نے جو لکھوایا مچلکا یوں سہی
گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی
یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جائیں گے

سید معین الدین احمد صاحب قیس رضوی عظیم آبادی

صبح محشر گر زباں کو طاقتِ گفتار ہو — میں ہوں۔ تو ہو۔ شام تک شکوہ بکا اک طومار ہو
باغ ہو مینا ہو۔ ساغر ہو مئے گلنار ہو — ساری خوشیاں خاک ہیں جب تک نہ اپنا یار ہو
رخنہ رخنہ سب اُٹھالینگے دو کانیں اے زمیں — دم بھرے ہیں کس طرح ویراں بھرا بازار ہو
یوں چلا جاتا ہوں کوئے یار کو میں مستِ شوق — لڑکھڑاتا۔ ڈگمگاتا جس طرح میخوار ہو
دلکو یاد آتے ہیں پھر اگلی کشاکش کے مزے — چاہتا ہے پھر مرے اُن کے کوئی تکرار ہو
خود فروشی خود نمائی آپ کی معلوم ہے — اتنے جھگڑوں سے غرض منصور ہو یا دار ہو
تیغ ان کی۔ اور گلا میرا۔ سلامت چاہیے — جس جگہ چاہیں وہ صحرا ہیں وہیں گلزار ہو
اس طلسماتِ جہاں کو آئینہ خانہ سمجھ — اس طرح ہوں محو جیسے نقش بر دیوار ہو
اعتقادِ دل کا مذہب نام ہے گر زاہدا — کیا عجب ہے رشتۂ تسبیح بھی زنار ہو
باغِ عالم پھول یوں لاکھوں کھلانیکو کھلائے — گل وہی گل ہے جو تیرا طرۂ دستار ہو
حُسن کی قیمت وہی قیمت ہے جو یکساں رہے — قید خانہ ہو کہ شہرِ مصر کا بازار ہو
نیچی نظریں خندہ ہا زیرِ لب کہتی ہیں کچھ — دامنِ انکار میں شاید گلِ اقرار ہو

قیس ہر اک جام پر کہتے ہو بسم اللہ تم
اک تمہیں اپنے طریقے کے نئے میخوار ہو

قطعہ

مست کی جام سے گذرتی ہے — یادِ دل آرام سے گذرتی ہے
بوالہوس کی جہان فانی میں — درم و دام سے گذرتی ہے
خود غرض کی غرض پرستی میں — جان خود کام سے گذرتی ہے
دم نہ لیکن ہوا ہے۔ نہ رہی خاک — مرد کی نام سے گذرتی ہے

قبر کی حالت

مولوی احمد علی صاحب کامل مرحوم لکھنوی

شب کو جا نکلا تھا میں کامل مزار دوست پر
اِس جہت سے مثلِ ابر آنکھیں میری خونبار ہیں

قبر پر الحمد پڑھکر دوست سے میں نے کہا
ہم گریباں چاک ماتم میں ترے اے یار ہیں

شاد ہی کچھ تو بھی زیرِ خاک اے نازک بدن
شمع روشن ہے گلوں کے قبر پر انبار ہیں

کیا ہوا مرنے کے بعد اے راہیِ ملکِ عدم
لوگ کیسے ہیں وہاں کے اور کیا اطوار ہیں

اہلِ صحبت کون ہیں۔ کیا گفتگو کا طرز ہے
خوش بیاں خوش وضع۔ یا کج فہم و بدگفتار ہیں

دعوتیں بھیجیں فقط یا آپ بھی آئے کبھی
اپنے اپنے شغل میں رہتے ہیں یا بیکار ہیں

بات کرنیکی صدا اصلا کبھی آتی نہیں
کس طرح کے لوگ ہیں سوتے ہیں یا بیدار ہیں

منزلیں نزدیک ہیں یا دور ہیں کیا حال ہو
راہ میں کچھ بستیاں ہیں شہر ہیں۔ بازار ہیں

جس محل میں جاکے تو اترا ہو اے رنگیں ادا
کس طرح کا قصر ہے۔ کیسے در و دیوار ہیں

چھت منقش ہو کہ سادی فرش رنگیں یا سفید
تخت کیسے ہیں مرصّع یا منبّت کار ہیں

سبز جلتے ہیں کنول یا سُرخ روشن ہیں گلاس
باغ ہے۔ سبزہ ہو کچھ اشجار ہیں۔ اثمار ہیں

پھول ہیں کس رنگ کے پتے ہیں کس انداز کے
مُرغ زرّیں بال ہیں۔ یا عنبریں منقار ہیں

قبر سے آئی صدا ای دوست بس خاموش رہ
ہم اکیلے ہیں نہ یاں احباب نے اغیار ہیں

باغ کیسا بھول کیسے عقل ہو تیری کہاں
کنجِ تنہائی ہو۔ اور افعی گلے کے ہار ہیں

وہ ہمارا پیکرِ نازک جو تم کو یاد ہو
آج خاکِ قبر سے اُس پر منوں انبار ہیں

اب زیادہ بات کرسکتے نہیں لے گھر کو جا
دل میں آزردہ نہ ہونا کیا کریں ناچار ہیں

موت کی منزلیں

یہ راہ وہ ہے جس میں کئی منزلیں ہیں سخت
نہ بستی کوئی ملتی ہے اور نا کوئی درخت
نے دلق ساتھ جائیگا اور نے شاہانہ رخت
نے بوریا گدا کا۔ نہ شاہو نکے ہونگے تخت

یکساں وہاں ہے قدر سلیمان و مور کی
دشوار سب سے منزلِ اول ہے گور کی

ہیں پانچ منزلیں جو کڑی سنیئے اُنکا حال
پہلی ہے نزع۔ دوسری دُنیا سے انتقال
پھر ہے فشارِ قبر۔ نکیرین کا سوال
پھر روزِ باز پرس کہ وہ سخت ہے کمال

سو ور گہِ خدا میں گرامی ہیں پنج تن
ان پانچ منزلوں کے بھی حامی ہیں پنجتن

پرسشِ اعمال

(جناب سید محمد خاں صاحب رند لکھنوی)

گور تاریک ہے۔ اور عالمِ تنہائی ہے
دست و پا کانپتے ہیں پرسشِ اعمال ہے آج
آمد آمد ہے نکیرین کی ہوتا ہے عذاب
رُوح تھراتی ہے۔ وحشت سے عجب حال ہے آج
ہیں تڑپتا ہوں لرزتی ہے زمیں کہتی ہے خلق
زلزلہ آیا۔ زمیں ہلتی ہے۔ بھونچال ہے آج

یوم الحساب (شیخ فدا علی عیش)

رُو بکاری میں ہے مشکل یہ الٰہی کیسی
دیں گے اعضا مرے محشر میں گواہی کیسی
مجھ سیہ بخت کی آمد ہو نہ محشر میں کہیں
ہر طرف پھیل رہی ہے یہ سیاہی کیسی

صلاحِ نیک (شاہ وارث الدین دہلوی)

اندھیری رین کا تجھ کو ڈر ہے
دیئے کا چاندنا تو ساتھ لیجا
جو تجھ کو چاہیے دیدار حق کا
ارے وارث بھلائی ساتھ لیجا

خشک عابد

(جناب حکیم محمد نذیر صاحب قریشی)

وہ شخص بھی عقبیٰ میں ہے کیا طالب انعام | جو چاہتا ہے باتوں ہی باتوں میں بنے کام
پڑھ پڑھ کے گھسا دیتا ہے تسبیح کے دانے | اِک دانہ خیرات میں سو سو ہیں بہانے
اِک بکری کی قربانی تو ہرگز نہ کرے گا | ہاں سورہ بقر پڑھنی ہو دس بار پڑھے گا
مسکین کو دکھائے نہ کبھی خوان کی صورت | ہے وردِ شب و روز ہی مگر مائدہ سورۃ
درگاہِ خدا میں تو سدا ہاتھ اُٹھائے | سائل کی اجابت پہ زباں تک نہ ہلائے
دامان تو گو وقتِ دُعا اشک سے تر ہو | محتاج کی زاری کا مگر کچھ نہ اثر ہو

اعمال کا یہ حال ہے۔ پھر خواہش فردوس
افسوس ہو۔ افسوس ہو۔ افسوس ہو۔ افسوس

عبادت

عبادت کرتے ہیں جو لوگ جنت کی تمنا میں | عبادت تو نہیں ہو اِک طرح کی وہ تجارت ہو
جو ڈر کر نارِ دوزخ سے خدا کا نام لیتے ہیں | عبادت کیا، وہ خالی بزدلانہ ایک خدمت ہو
اگر جب شکرِ نعمت میں جبیں جھکتی ہو بندہ کی | وہ سچی بندگی ہے۔ اِک شریفانہ عبادت ہو

مسلمانوں کی حالت

(جناب تسلیم نارنولی)

بس یہ حالت اب اہلِ اسلام کی ہو | مُسلمانی اُن میں فقط نام کی ہو
نہ رغبت شریعت کے احکام کی ہے | نہ کچھ فکر آغاز و انجام کی ہے

نہ شرم نبیؐ ہے نہ خوفِ خدا ہے
غمِ نفس ہے۔ اتباعِ ہوا ہے

جناب مرزا اسد اللہ خاں صاحب غالبؔ

قطعہ

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل
زنہار اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

ساقی بہ جلوہ۔ دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے

لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
یہ جنت نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے

یا صبحدم جو دیکھئے آکر تو بزم میں
نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

ایضاً

پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز
گرم بازارِ فوجداری ہے

ہو رہا ہے۔ جہاں میں اندھیر
زلف کی پھر سرشتہ داری ہے

پھر دیا پارۂ جگر نے سوال
ایک فریاد و آہ و زاری ہے

پھر ہوئے ہیں گواہِ عشق طلب
اشکباری کا حکم جاری ہے

دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا
آج پھر اُس کی روبکاری ہے

ایضاً

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو۔ اور ہم زباں کوئی نہ ہو

بے در و دیوار سا۔ ایک گھر بنانا چاہیئے
کوئی ہمسایہ نہ ہو۔ اور پاسباں کوئی نہ ہو

پڑیئے گر بیمار۔ تو کوئی نہ ہو تیمار دار
اور اگر مر جایئے تو۔ نوحہ خواں کوئی نہ ہو

رباعیات وقطعات

حمد وثنا ۔ وحدت ورحمت

کانٹا ہے ہر ایک جگر میں اٹکا تیرا   حلقہ ہے ہر اک گوش میں لٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجھ کو جانا ہے ضرور   بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

: مولانا حالی :

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا   آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے   انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

دنیا تری قدرت کی تماشائی ہے   چھائی ہوئی سب پہ تری یکتائی ہے
جلوہ ہے دوئی میں بھی تری وحدت کا   دو آنکھیں ہیں، اور ایک بینائی ہے

: حافظ پیلی بھیت :

کچھ غم نہیں جو پیش ہو دفتر قصور کا   عنوانِ نامہ نام ہے ربِ غفور کا
کہتے ہی یا کریم اِدھر سے اُدھر گئے   لطف وکرم میں فاصلہ ہے کتنی دور کا

: امیر مینائی :

دار القضا میں تیری حکومت کے اے کریم   نسخ ہے رواج ۔ سند اور دلیل کا
جھوٹے پڑینگے نامۂ اعمال روزِ حشر   جب عفوِ عام کام کرے گا وکیل کا

شہیدی

حیات اپنی ہے وابستہ نفس سے   عطائے خاص ہے یہ دمبدم کیا
ترحم ۔ طالبِ طاعت نہیں ہے   مرا محتاج ہے ۔ اس کا کرم کیا

میر محبوب فرخ

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارا نہ کیا
پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر
لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا

(نامعلوم)

بازارِ جہاں میں جنسِ بیکار ہوں میں
جو اُٹھ نہ سکے کسی سے۔ وہ بار ہوں میں
محشر میں ذلیل۔ اپنی رحمت سے نہ کر
یارب ہے کریم تو۔ گنہ گار ہوں میں

(کوثر خیر آبادی)

بھڑی نہ ذلیلِ رستگاری۔ توبہ
کیسی ہوئی بے قدر۔ ہماری توبہ
منزل دُشوار۔ بوجھ بھاری سر پر
توبہ۔ توبہ۔ جنابِ باری۔ توبہ

عبادت دل سے کرنی چاہیے

تسبیح و دُعا میں جس نے لذت پائی
اور ذکرِ خدا سے۔ دل نے راحت پائی
کوئی نہیں خوش نصیب اس سے بڑھکر
بس دونوں جہاں کی اُس نے نعمت پائی

(اکبر الہ آبادی)

ہشیار نہیں دل۔ تو تلاوت ہے عبث
اور اد و نماز و ذکر و طاعت ہے عبث
فیضان کا در ایک بھی مفتوح نہیں
محنت ہے عبث زہد و ریاضت ہے عبث

نعت سرورِ عالم و ساقیِ کوثر۔

سید ناصر نذیر فراق دہلوی

جس خار کو چاہے۔ وہ گلِ تر ہو جائے
دیکھے جو صدف کی سمت۔ گوہر ہو جائے
ادنیٰ مرے ساقی کا تصرف ہے وہ
جس جام کو منہ لگائے۔ کوثر ہو جائے

(رشید لکھنوی)

ایک ایک قدم لغزشِ مستانہ ہے
گلزارِ بہشت۔ اپنا مے خانہ ہے
سرمست ہیں حُبِ ساقیِ کوثر سے
آنکھیں شیشے ہیں۔ قلب پیمانہ ہے

عشق حقیقی

غلط فہم ہیں۔ عاشقانِ مجازی ق کہ محوِ تماشائے محمل ہوئے ہیں
رہیں گے گرفتارِ صورت پرستی اگر حُسنِ معنی سے غافل ہوئے ہیں

(ثاقب دہلوی)

کہیں کس سے روداد اپنی۔ کریں کیا؟ ق اسی فکر میں ہم تو ششدر کھڑے ہیں
اُسے ڈھونڈھنے ڈھونڈھتے گم ہوئے خود حسن اب تو لینے کے دینے پڑے ہیں

(حسن لکھنوی)

ہاتھ سے میرے کس طرح اے غیر ق دامن اُس کا جُدا کرے گا تو
فرض ہیں نے کیا کہ یوں بھی ہوا کشش دِل کو کیا کرے گا تو

(طپش دہلوی)

پردۂ گل میں کب تلک اے دوست ق شکل بُو کی۔ رہا کرے گا تو
ایک دن تجھ کو دیکھ لینا ہے یار کب تک۔ چُھپا کرے گا تو

دنیا کے ساتھ تعلق زندگی تک ہے

یارانِ ہم نشیں و رفیقانِ دوستدار ق سب آشنا ہیں زندگیِ مستعار کے
جب مندگئی پھر آنکھ تو اے دوست بعدِ مرگ پھٹکے ہے پاس کون کسی کے مزار کے

(واقف غازیپوری)

وہ موجِ حوادث کا تھپیڑا نہ رہا کشتی وہ ہوئی غرق۔ وہ بیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی تک ایسی جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیڑا نہ رہا

(میر انیس)

جب خاک میں ہستی کا چمن ملتا ہے یارانِ وطن پھر نہ وطن ملتا ہے
اسبابِ جہاں سے دیکھئے ای غافل مٹی ملتی ہے اور کفن ملتا ہے

گلہ بے مہری و تغافل

اے نسیم سحری مہر و مروّت سے وہ ق ہے نہایت نظر آیا۔ یہ گلستاں مجھ کو
ایک گل نے کسی ہم نے ہوا چلنے وقت خار نے بھی نہ رکھا۔ کھینچ کے داماں مجھ کو

(سودا)

وہ ہو اور عیش و طرب ہو۔ اور دورِ شراب قہقہا ہے۔ رنگ ہو۔ اور جوششِ مستانہ ہے
میں ہوں اور رنج و الم ہو۔ درد ہو۔ فریاد ہو نالہ و شور و بکا ہے۔ آہ بیتابانہ ہے

(نسخ)

کیا خوار و زبوں کیا وفا نے مجھ کو کونے میں بٹھا دیا حیا نے مجھ کو
نظروں سے بتوں کی گر پڑا تھا مومن صد شکر اٹھا لیا خدا نے مجھ کو

(مومن)

احسان کیا۔ اگر ستایا تو نے قصہ سے نباہ کے چھڑایا تو نے
کرنے لگے پھر وہی سمجھ کی باتیں بارے ہمیں آدمی بنایا تو نے

یا وہ کہ بے ہمارے نہ تھا چین ایک دم ق یا یوں ہماری شکل سے بیزار ہو گئے
اب آنکھ اٹھا کے بھی تو کبھی دیکھتے نہیں اللہ ہم اب ایسے گنہ گار ہو گئے

(نادر کاکوری)

شوقِ نظارہ ترا کھینچ کے لایا تھا اسے ق گرچہ تھی قیس کے پاؤں میں سلاسل بھاری
دیکھ لیتی جو اٹھا کر۔ ترے ٹوٹتے ہاتھ؟ لیلےٰ اتنا تو نہ تھا۔ پردۂ محمل بھاری

(نامعلوم)

نے دل کو قرار۔ بیقراری کے سبب نے چشم کو خواب اشکباری کے سبب
واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں سے کبھو جو کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

نوحۂ جوانی و عمرِ رفتہ

یہ عمر یونہی تمام ہو جائے گی — مرنے کی خبر بھی عام ہو جائے گی
روتے ہو انیسؔ کیا جوانی کے لیے — پیری کی سحر بھی شام ہو جائے گی

(میر انیسؔ)

راتیں نہ وہ اب ہونگی۔ نہ خواب آئیگا — آیا بھی تو زیست کا جواب آئے گا
اٹھو اب انتظار بے جا ہے انیسؔ — نے عمر پھرے گی۔ نے شباب آئے گا

(میر انیسؔ)

ہمدم کہیں نہ حسرتِ خوابیدہ جاگ اُٹھے — ق — ایامِ حسن و عشق کی پھر داستاں نہ چھیڑ
ہے خاتمہ قریب۔ جوانی کی رات کا — محروم پھر فسانۂ زلفِ بتاں نہ چھیڑ

(محروم)

ہو تجھ سے نباہ، عمرِ رفتہ کب تک — دیکھیں تیری راہ۔ عمرِ رفتہ کب تک
رستے کا نشاں نہ نقشِ پا کا ہے سُراغ — ڈھونڈھیں تجھے آہ عمرِ رفتہ کب تک

(شاگرد میرٹھی)

طفلی دیکھی شباب دیکھا ہم نے — ہستی کو حباب آب دیکھا ہم نے
جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھُلا — جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

(میر انیسؔ)

دنیا کی تمام عمر اک یوم سمجھ — اس یوم میں اپنے تئیں با صوم سمجھ
افطار کا وقت جبکہ آجائے اجل — محشر کا ہجوم عید اے قوم سمجھ

(فراق دہلوی)

دُنیا ہم نے سرائے فانی دیکھی — ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا — جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

(میر انیسؔ)

پیری و ضعیفی

ہر چند بہت ملول و دلگیر ہوں میں　　کیا فائدہ؟ بیاں کروں۔ پیر ہوں میں
دیکھو مجھے۔ پوچھنے سے حاصل کیا ہے　　پیری کا نازہ ہے جس کی تصویر ہوں میں

(رشید لکھنوی)

افسوس جوانی کی نہ کچھ غور ہوئی　　ہونی تھی جو کیفیت بہر طور ہوئی
دانتوں نے کیا قصد جدا ہونے کا　　آنکھوں کی بھی اب ہم سے نظر اور ہوئی

،،

پیری سے خاک قدر دانی نہ ہوئی　　وقتِ آخر بھی کامرانی نہ ہوئی
یوں توڑتا دم کہ دیکھنے لوگ آتے　　افسوس ہے اسوقت جوانی نہ ہوئی

،،

نامی ہوئے۔ بے نشان ہونے کے لئے　　افسانہ ہوئے۔ بیان ہونے کے لئے
کی موت قبول۔ خواہشِ جنت میں　　ہم پیر ہوئے جوان ہونے کے لئے

،،

پیری سے ہوئے ہیں سفری کی صورت　　اُٹھتے ہیں تو دردِ جگری کی صورت
ہم بیٹھتے ہیں غبارِ خاطر کی طرح　　چلتے ہیں نسیمِ سحری کی صورت

،،

پیری میں یہ تن کا حال ہو جاتا ہے　　ہر موئے بدن۔ وبال ہو جاتا ہے
دنیا میں کمال کو بھی آخر ہے زوال　　جب بدر ہوا ہلال ہو جاتا ہے

میر انیس

خوش رہتے ہیں دکھ میں کامرانوں کی طرح　　ہیں ضعف سے لڑتے پہلوانوں کی طرح
دل اُنکے ہیں ظرف اُنکے جو کرتے ہیں ٹیر　　ہنس بول کے پیری کو جوانوں کی طرح

حالی

رازونیاز

یارب اللہ رے تیرا عالم ق دیکھ یہ داغ دل میں کس کا ہے
ماہِ رو اور بھی ہیں دنیا میں یوں فلک پر دماغ کس کا ہے

(صبا لکھنوی)

جب کہا میں نے کہ تم بد ادا گرہ۔ نا آشنا ق بمروت۔ بیوفا۔ بیگانۂ احباب ہو
ہنس کے فرمایا کہ میں تو خیر جو کچھ ہوں سو ہوں تم بھی تو بےچین ہو۔ بےصبر ہو۔ بیتاب ہو

(مومن)

کھائی ہیں گالیاں دُعا کے بدلے جھیلے ستم وجور۔ وفا کے بدلے
چاہا جو خدا نے۔ روزِ محشر لُوں گا او بُت ترے ظلم ناروا کے بدلے

(کوثر خیرآبادی)

کس پہ بگڑے تھے کس پہ غصّہ تھا ق رات تم کس پہ تھے خفا صاحب
کس کو دیتے تھے گالیاں لاکھوں کس کا شب۔ ذکرِ خیر تھا صاحب

(مومن)

آہٹ قدم کی پاکے کہا شب کو کون ہے؟ ق میں نے کہا کہ۔ کوئی نہیں یہ غلام ہے
سنتے ہی خشمگیں ہو۔ لگے کہنے۔ واہ وا گھر جایئے۔ کیا غلام کا اس وقت کام ہے

(طپش دہلوی)

مژگاں سے گر بچے دل۔ ابرو کرے ہے ٹکڑے ق یہ بات اُس سے کہکر۔ جب میں نے داد چاہی
کہنے لگا کہ ترکش۔ جس وقت ہووے خالی تلوار پھر نہ کھینچے۔ تو کیا کرے سپاہی

(کامل)

کیا منہ بنا رہے ہو۔ اللہ رے رکاوٹ ق گویا کہ آشنائی۔ گاہے نہ تھی کسی سے
لو ہاتھ جوڑتا ہوں۔ بس کیجیے جرم بخشی تقصیر بھی تو یعنی۔ ہوتی ہے آدمی سے

انتہاء

بغل میں تم جو بیٹھے ہو تو کیا ہی چین ہے دلکو ق نہ اب رونا تڑپنا ہے۔ نہ وہ آنسو بہانا ہے
نہ وہ صدمہ۔ نہ وہ ایذا نہ وہ رنجش نہ وہ غصّہ نہ فریاد و افغاں ہے نہ اب وہ تلملانا ہے

(انسخ)

جو کہا میں نے کہ اب پردہ اُٹھاؤ بے حجاب ق طالب دیدار سے منہ کا چھپانا منع ہے
سُنکے ہنس کے یوں لگا کہنے کہ سچ کہتا ہے تو پر ہر اک کم ظرف کو جلوہ دکھانا منع ہے

(افسوس نارنولی)

رمز و کنایہ

میں تو ناحق یہ قصّہ کہہ کہہ کر تم سے کہتا ہوں۔ مدعا سمجھے
رفتہ رفتہ کبھی سمجھ لو گے ابھی تو آپ کی بلا سمجھے

(طپش دہلوی)

یہ کیا کہا کہ یہاں سے ہٹو۔ یہاں سے ہٹو ق ابھی سبھوں سے الگ ہم تو آکے بیٹھے ہیں
کسی کو دی، نہ اذیت۔ نہ سر کسی کے چڑھے انہیں ہٹاؤ جو پہلو دبا کے بیٹھے ہیں

(نامعلوم)

حرص و ہوس

تھے کیک کی فکر میں۔ سو روٹی بھی گئی چاہی تھی شے بڑی۔ سو چھوٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحتیں نہ مانیں آخر پتلون کی تاک میں لنگوٹی بھی گئی

(اکبر الٰہ آبادی)

ایک روز بھی۔ تارکِ تگ و دو نہ ہوئے فارغ از بحث کم دم و جو نہ ہوئے
جمعیت دل کہا حریصوں کو نصیب ننانوے ہی رہے۔ کبھی سَو نہ ہوئے

(〃)

خوش ہیں غریب اپنے اُن جھونپڑوں کے اندر ق جو دھوپ کی تپش سے دوزخ کی بھٹیاں ہیں
نالاں ہیں اہل دولت حالانکہ اُن کے گھر میں پنکھا بھی کھچ رہا ہے اور خس کی ٹٹیاں ہیں

(نامعلوم)

دنیائے دنی

دُنیا جسے کہتے ہیں۔ بلاخانہ ہے
پامال ہے جو عاقل و فرزانہ ہے
مابین زمین و آسمان یوں ہم ہیں
جیسے دو آسیا ہیں اِک دانہ ہے

نیرنگیٔ زمانہ

ویراں ہے کوئی گھر۔ کہیں آبادی ہے
راحت سے کوئی۔ اور کوئی فریادی ہے
اِک عشرت و غم کا ہے۔ مرقع دُنیا
ماتم ہے کسی جا۔ تو کہیں شادی ہے

کسی کا کندہ نگینہ پہ نام ہوتا ہے
کسی کی عمر کا لبریز۔ جام ہوتا ہے
عجب سرا ہے یہ دُنیا کہ جسمیں شام و سحر
کسی کا کوچ۔ کسی کا مقام ہوتا ہے

لہو و لعب سے پرہیز کرو

عشرت کا ثمر تلخ سدا ہوتا ہے
ہر قہقہہ پیغامِ بُکا ہوتا ہے
جس قوم کو عیش دوست پاتا ہوں میں
کہتا ہوں کہ اب دیکھئے کیا ہوتا ہے

(حالی)

مومن شوقِ گناہکاری کب تک
اے تیرہ دروں سیاہ کاری کب تک
مان اپنے خدا کو۔ باز آ بہرِ خدا
اے دُشمنِ دیں بتوں سے یاری کب تک

(مومن)

نیت ہو گرچہ خیرِ و ایماں کی طرف
آنکھیں نہ اُٹھاؤ بزمِ عصیاں کی طرف
مانا کہ پڑھو گے واں پہنچکر لاحول
جانا ہی ضرور کیا ہو۔ شیطاں کی طرف

(اکبر الہ آبادی)

ضائع نہ کر آغوشِ کے پالے دل کو
کرتے ہیں پسند درد والے دل کو
درکار اگر ہے۔ زادِ راہِ عقبیٰ
سب چھوڑ کے دُنیا سے اُٹھا لے دل کو

(میر انیس)

دم کے ساتھ غم ہے

خونبابہ کشی مدام کی ہے ہم نے — ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے
یہ مہلت زیست جس کو کہتے ہیں عمر — مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے

(میر تقی میر)

شکوہ عبث ہے میر کہ کڑھتے ہیں سارے دن — یا دل کا حال رہتا ہے درہم تمام شب
گزار کے خوشی سے جہاں میں تمام روز — کس کی کٹی زمانے میں بے غم تمام شب

(؍؍)

حسرت و یاس

نہ نالہ ہے دل میں نہ آہ حزیں ہے — کوئی دم ہے یا سو دم واپسیں ہے
گئے دن جو آنکھوں سے بہتے تھے دریا — اِدھر دیکھ لو خشک اب آستیں ہے

(احسن)

کس کا کون۔ کیا کسو سے کہنا — اپنا اپنا ہر ایک کا ہے لہنا
گزرے ہے اب اس طرح اپنی اے درد — رونا چھپکے پڑے۔ اکیلے رہنا

(میر درد)

خوشحال اُن کا جو خمخانہ ہستی میں رکھتے ہیں ق برنگ شیشہ مے کیفیت آنسو بہانے کی
کہ شکل زخم ہم آفت رسیدوں کی یہ صورت ہے — نہ رونے کا مزہ ہے کچھ۔ نہ لذت مسکرانے کی

(جرأت)

اے باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھ غرض ق مجھ سے قسم لے چھیڑوں اگر برگ و بر کہیں
اتنا میں چاہتا ہوں کہ میں اور عندلیب — آپس میں درد دل کہیں ٹک بیٹھ کر کہیں

(راقم دہلوی)

دل میں ارمان ہی رہا سیر چمن کا اس رنگ ق کہ مرے ساتھ وہ زیبندہ شمائل ہوتا
اس کی بدھی کیلیے پھول میں چنتا پھرتا — ہاتھ اُس کا مری گردن میں حمائل ہوتا

(سہاری)

نون۔ تیل۔ لکڑی

تھا تصور مالکِ آزادیٔ رندانہ ہوں — لیکن اب بالکل اسیرِ انتظامِ خانہ ہوں
پہلے تھا اُس بُت کی گرد اب ساتھ بچوں کی فوج ہے — عشق میں دیوانہ تھا۔ اب فکر میں دیوانہ ہوں

اکبر الہ آبادی

بے زری۔ بے پری

لذت چاہو۔ تو وصلِ معشوق کہاں — شوکت چاہو۔ تو زر کا صندوق کہاں
کہتا ہے یہ دل کہ خودکشی کی ٹھیرے — (ر) خیر اس کو بھی مان لیں۔ تو بندوق کہاں

ایک دم اور شش غم

سید کی طرف تو چندہ لانے کی ہے ترنگ — اور شیخ کے گھر میں پچکانے کی ہے ترنگ
بہتر ہے یہی کہ بُت پرستی کیجے — (ر) گو اس میں بھی صبح کو نہانے کی ہے ترنگ

دم نہ مارو

ہم سفیرو یہ نہ سمجھو تم کہ یہ چُپکا رہا — ق گو کہ ہوں خاموش لیکن بیکلی جاتی نہیں
ہو کے مجبور اب کیا ہے صبر میں نے اختیار — ورنہ کیا میری قفس میں طبع گھبراتی نہیں

دم قدم کی خیر

گلی میں یار کی ہم آج شب کو اے ہمدم — ق بتائیں کیا کہ کدھر سے گئے کہاں سے گئے
صبا کی طرح سے آنکھوں میں سب کی دُھول ڈال کے خاک — نظر بچا کے ہر اک واں کے پاسباں سے گئے

شاہ ظفر خلد آشیاں

پیر جی اور حکیم جی کی کسوٹی

ہو گا نہ فقیر۔ جو تن آور ہو گا — ہو گا نہ حکیم جو کہ لاغر ہو گا
ان دو سے جو بہتری کو چاہیگا تو آ — وہ عقل کے دائرے سے باہر ہو گا

حکیم سلطان ... بذریعہ حضرت فراق دہلوی

میخانہ کی چوری

در میخانہ جو بیٹھا ہے۔ تہجد کو ہوئی چوری — ق بڑے ٹوٹے ہوئے شیشے فقط جھوٹے پیالے ہیں
گماں کس پر کریں میکش۔ ادھر واعظ اُدھر صوفی — خدا رکھے محلے میں سب ہی اللہ والے ہیں

نواب سراج الدین احمد صاحب سائل دہلوی

شیخ جی کا شغل مرغوبہ

وہ خواہشوں پر شیخ کا دار و مدار ہے (ف) ہو خاصدان پانوں کا آگے دھرا ہوا
خالی دماغ کرنے کو ہر لحظہ تازہ دم رکھا ہوا ہو سامنے حقّہ بھرا ہوا

شیخ جی کا تکیہ کلام

(نا معلوم)

اِک روز چلے جاتے تھے۔ اٹھی جو نگاہ دیکھا کہ ہے کوٹھے پہ کھڑا غیرتِ ماہ
بس شیخ نے یہ کہہ کے نظر نیچی کی لا حول ولا قوۃ الا باللہ

محکمہ بیکاران

(سید محمد جان صاحب نجمی)

دُنیا کے ہاتھ سے جو دل ریش ہیں ہم اس واسطے یاں عاقبت اندیش ہیں ہم
دنیا داری و نوکری۔ محنت و کسب جب کچھ نہ بنا۔ کہا۔ درویش ہیں ہم

(نا معلوم)

ہو کل چھٹے ان کے پنجے سے جب (ق) تو بس قوم مرحوم کے سر ہوئے
پپیہے پکارا کئے پی کہاں مگر وہ پلیڈر سے لیڈر ہوئے (اکبر الہ آبادی)

لیڈری

رکھتے ہو گر یہ خواہش ہم قوم کے ہوں لیڈر لازم ہے پہلے کرنا یہ دردِ سر گوارا
حکام سے محبت۔ مخلوق سے مروت با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا (نا معلوم)

لیڈرانِ قوم اور قوم کی حالت

(از جناب اکبر الہ آبادی مرحوم و مغفور اصلی دردمند و مصلح قوم)

اِدھر ہے قوم ضعیف و مسکیں۔ اُدھر ہیں کچھ مرشدانِ خود بیں
یہ اپنی قسمت کو رو رہی ہے۔ وہ نام پر اپنے مر رہے ہیں
یہ طفلِ ناداں غریقِ غفلت۔ ہوائے ذلت میں تن رہے ہیں
سمجھ نہیں ہے۔ نظر نہیں ہو بنائے جاتے ہیں مر رہے ہیں

خلق ۔ مروّت ۔ رواداری

مٹی سے بنا ہے دل کو تو سنگ نہ کر ہر بات پہ معترض نہ ہو جنگ نہ کر
منظور اگر ہے جا دلوں میں اے دوست بہتر ہے کہ دشمن کو بھی دل تنگ نہ کر

(میر انیس)

مذموم ہے ۔ رمز و طعنہ و کبر و حسد رکھو یہ روش کرے جو اللہ مدد
ہم رنگ سے ارتباط ۔ با صدق و صفا بے میل سے احتراز ۔ بے کینہ و کد

(اکبر الہ آبادی)

اندوہ الم سے کب یہ جان بچتی ہے نے قلب نہ روح ناتواں بچتی ہے
یوں سنگدلوں میں رہ کے جان اپنی بچا جس طرح کہ دانتوں سے زباں بچتی ہے

(میر انیس)

دنیا میں کسی پر نہ تعدی کرنا دل جس سے دکھے ۔ بات نہ ایسی کرنا
اک روز خدا کو منہ دکھانا ہے ضرور بندے کبھی بن پڑے ۔ تو نیکی کرنا

(نا معلوم)

تو بھلا ہو تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوقؔ ہے برا وہ ہی کہ جو تجھ کو برا جانتا ہے
اور اگر تو ہی برا ہے ۔ تو وہ سچ کہتا ہے کیوں برا کہنے سے تو اس کے برا مانتا ہے

(ذوق)

ہر وقت زمانے کا ستم سہتے ہیں حاسد جو برا کہے ۔ تو چپ رہتے ہیں
جو نیک ہیں وہ بد کو بھی کہتے ہیں نیک جو بد ہیں ۔ وہ نیکوں کو برا کہتے ہیں

(میر انیس)

فتنہ کو جہاں تک ہو ۔ دیجے تسکین زہر اگلے کوئی ۔ تو کیجے باتیں شیریں
غصہ غصے کو اور بھڑکاتا ہے اس عارضہ کا علاج بالمثل نہیں

(مولانا حالی)

کبر و نخوت سے بچو

نوجوانو۔ تم ہمیشہ کبر و نخوت سے بچو
نازشِ بیجا و بیہودہ مشیخت سے بچو
جس کو تم کہتے ہو خودداری حماقت ہے صریح
پھر کہے دیتا ہوں تم اس حماقت سے بچو

(نادر سہارنپوری)

ہوا و ہوس۔ صاف دلی

جو فقر کرے حرص۔ قیصر وہ ہے
تکیہ ہے جسے حق پہ۔ تونگر وہ ہے
آئینہ سکندر نے بنایا تو کیا
دل جس کا ہے آئینہ سکندر وہ ہے

(مرزا دبیر)

خلق و تواضع

کم مایۂ سبک پیش جہاں ہوتا ہے
میزاں سے بدیہی یہ عیاں ہوتا ہے
خوردوں سے تواضع ہو بزرگی کی دلیل
جھکتا ہے وہ پلّہ۔ جو گراں ہوتا ہے

(مرزا دبیر)

ہو علم اگر نصیب۔ تعلیم بھی کر
دولت جو ملے۔ تو اس کو تقسیم بھی کر
اللہ عطا کرے۔ جو عظمت تجھ کو
جو اہل ہیں اسکے۔ انکی تعظیم بھی کر

(اکبر الہ آبادی)

بیحیائی و مکّاری

آزاد سے۔ دین کا گرفتار اچھا
شرمندہ ہو دل میں۔ وہ گنہگار اچھا
ہر چند کہ زور بھی ہے ایک خصلتِ بد
واللہ کہ بیحیا سے۔ مکّار اچھا

(اکبر الہ آبادی)

بے عزّتی اور کم ہمتی کی زندگی سے مرنا بہتر ہے

غفلت کی ہنسی سے۔ آہ بھرنا اچھا
افعالِ مضر سے۔ کچھ نہ کرنا اچھا
اکبر نے سُنا ہے۔ اہلِ غیرت سے یہی
جینا ذلّت سے ہو۔ تو مرنا اچھا

(اکبر الہ آبادی)

ہے جان کے ساتھ کام انساں کے لئے
بنتی نہیں زندگی میں۔ بے کام کئے
جینے ہو تو کچھ کیجیے۔ زندوں کی طرح
مُردوں کی طرح جیے۔ تو کیا خاک جیے

(مولانا حالی)

دردِ جدائی

بے یار ذوق کب ہی شراب وکباب سے ق پرواہنیں ہی اب مجھے۔ ساقی ہو یا نہ ہو
خونِ جگر پیا نہ ہو جس نے وہ مے پئے کھائے وہی کباب کہ جو دِل جلا نہ ہو

(وزیر لکھنوی)

واں تم کو سفر ہوا جو مجبوری سے یاں ناک میں دم ہے۔ درد مجبوری سے
تم تو وہاں پہنچے۔ اور میں یہاں پہنچا (مومن) مرنے کے قریب۔ آپ کی دُوری سے

چور کی ڈاڑھی میں تنکا

بزمِ خوباں میں بھلا ہجر میں اُس کے ہمدم ق بیٹھے کس شکل دل اپنا کوئی بہلانے کو
آنکھ اُٹھاتے ہی کسی شوخ کی تصویر کی شکل (جرأت) سامنے آن کھڑی ہوتی ہو دھمکانے کو

مومن وہ جو روئے بھی اور رلائے بھی

یاد میں اُس گل کی دُنیا صبح جو گلشن میں مَیں ق بلبلانِ باغ میں اِک سخت ماتم ہو گیا
غنچہ نے پھاڑا گریباں گل کا دامن چاک تھا چشمِ نرگس سے بھی جلدی۔ اشکِ شبنم ہو گیا

(مفتون از ہگلی)

بیوفا کی پیت

مَیں نے کہا جو اُس سے کہ اے یارِ بیوفا ق مجھ سے بھی تیری دوستی۔ دو روز ہی رہی
ہنسکر کہا تب اُسنے کہ بس لگ نہ چل بہت اس میں نرا اجارہ ہو جب تک رہی رہی

(انسوس نارنولوی)

اِک روز وقت پاکے جو کی مینے اُس سے عرض ق آزردہ خاطروں کے ستانے سے فائدہ
بولے کہ واقعی بڑے بیداد گر ہیں ہم ہم سے کسی کو دل کے لگانے سے فائدہ

(شہیدی)

پیت کی ریت

کیا صفت ہو محبِّ صادق کی ق اُس کی جو بات ہے وہ عالی ہے
دوستی ہے مفید ہر صورت پیت کی ریت ہی نرالی ہے

(نامعلوم)

چہ رنجی

سنکر "اشہر باد" بس آغا مے ایک حریف / دی پشت برہمن پہ بزورِ تمام چھوڑ
کہنے لگا چرنجی "چہ رنجی" تو بولے آپ / کردی تو بد نعام چرا "رام رام" چھوڑ
(میر انشاء اللہ خاں)

دل کا غبار

ٹوٹا دل کس طرح بنالے کوئی / جو نقش ہیں کس طرح مٹالے کوئی
ممکن نہیں دل سے جا سکے دل کا غبار / آئینہ نہیں کہ پونچھ ڈالے کوئی
(نادر کاکوروی)

راز و نیاز

میرے ہی سر کی قسم ہے۔ نام جانے کا نہ لو / ق مجھ کو ہٹو آج اگر تم اپنے گھر جاؤ۔ رہو
اب جواں فضلِ الٰہی ہو چکے کیا ڈر تمہیں / آؤ۔ بیٹھو۔ کھیلو۔ کودو۔ لوٹو۔ پوٹو۔ سو رہو

(انشاء)

کیا شہر ہیں آج ہنجھ پر ہے ہولی / بھرتے ہیں لئے عبیر۔ بھر بھر جھولی
وعدے سو کیا کرو گے۔ دل خوش کب تک ہولی / ہولی کا قرار تھا سو یہ بھی ہولی
(رنگین عظیم آبادی)

آدابِ عشق

بس نہ تڑپا جو دمِ ذبح تو یہ باعث تھا / ق کہ رہا مدِ نظر عشق کا آداب مجھے
ورنہ وہ شوخ کہ جو گل سے بھی نازک ہو سوا / لیوے اس طرح سے زانو کے تلے داب مجھے
(ذوق)

حسن بے بنیاد ہے

گل سے زیادہ نازک جو دلبرانِ رعنا / ہیں ہلکی ہیں۔ شبنم کے پیرہن کے اندر
ہے مجھ کو یہ تعجب۔ سو وہ بیگے پاؤں پھیلا / یہ رنگ گورے گورے کیونکر کفن کے اندر
(انشاء)

جوتے کا زور

شو میکری شروع کی جو ایک عزیز نے / جو سلسلہ ملاتے تھے بہرام گور سے
پوچھا کہ بھائی تم تو تھے تلوار کے دھنی / مورث تمہارے آئے تھے غزنین و غور سے
کہنے لگے ہوا اسمیں بھی۔ ایک بات نوک کی / روٹی ہم اب کماتے ہیں۔ جوتے کے زور سے

(اکبر الہ آبادی)

دو فصلی دو رنگی

دُنیا کا ہو نہیں تو دین کا ہو رہ بتخانے چلا ہے۔ تو وہیں کا ہو رہ
یہ دو فصلی نہیں ہے اچھی نادر ہوتا ہے تو ناداں کہیں کا ہو رہ

(نادر کاکوروی)

ہموار نہیں۔ ظاہر و باطن جن کے چھوائے گی ان کو۔ یہ دورنگی۔ ننگے
اگر دل میں نہیں چور تمہارے شاکر کیوں رکھتے ہو ڈر ڈر کے قدم گن گن کے

اتفاق و اتحاد

مسٹر بہارے لال آشفتہ بجنوری

ہندو سے لڑیں۔ نہ گبر سے بیر کریں شر سے بچیں اور شر کی عوض خیر کریں
جو کہتے ہیں یہ۔ کہ ہے جہنم دُنیا وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں

(مولانا حالی)

آپس میں موافق رہو۔ طاقت ہو تو یہ ہے دیکھو نہ بہم عیب۔ محبت ہے تو یہ ہے
صحت بھی ہو۔ روزی بھی ہو۔ دل کو بھی ہو تسکیں دُنیا میں بشر کے لئے نعمت ہے تو یہ ہے

اکبر الہ آبادی

سخاوت

گوہر کو کرے جمع۔ یہ جوہر ہے تو کیا؟ جب نفس غنی نہیں۔ تونگر ہے تو کیا؟
جب جود نہیں۔ کرم نہیں۔ فیض نہیں مٹھی میں جو غنچے کی طرح زر ہو تو کیا؟

(حافظ پیلی بھیتی)

پھل پائیں گے جو تخم کرم بو دیں گے مرقد میں یہ پھول بن کے خوشبو دیں گے
جن کے لئے چھوڑتا ہے مال او منعم مر لے پہ وہ مٹی بھی نہ تجھ کو دیں گے

اسراف

(ڈاکٹر غضب لکھنوی)

چوروں سے زر و مال بچا سکتے ہیں پہرے پہ سپاہی کو لگا سکتے ہیں
بچتی نہیں اسراف سے کوڑی لیکن اس چور پہ قابو نہیں پا سکتے ہیں

سید ناصر نذیر فراق دہلوی
جانشین میر درد

عبرت

مقبروں میں دیکھتے ہیں اپنی ان آنکھوں سے روز — یہ برادر۔ یہ پدر۔ یہ خویش۔ یہ فرزند ہیں
تو بھی ٹھوکر مار کر چلتے ہیں رعنائی سے یار — سوجھتا اتنا نہیں۔ ہم خاک کے پیوند ہیں

(میر سوز دہلوی)

گذر ناگاہ جو میرا ہوا۔ شہر خموشاں میں — عجب نقشہ نظر آیا۔ وہاں شاہانِ عالم کا
کہیں آئینہ زانوے سکندر کا شکستہ تھا — کسی جانب پڑا تھا کاسۂ سر خاک میں جم کا

(ناسخ لکھنوی)

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر پڑا جو میر — ق — یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر — میں بھی کبھی کسی کا سرِ پُر غرور تھا

(میر تقی میر)

مرگئے پر خاک ہے سب کبر و ناز — ق — مت جھکے گو سر کسی مغرور کا
ٹھیکری کی قدر ہے اس کی نہیں — ٹوٹا کاسہ جب سرِ فغفور تھا

اجل کرے گی نہ ہنگامِ نزع۔ پاس ترا — ق — بقا نہیں ہے تجھے۔ ہے غلط قیاس ترا
پہن کے جامۂ ہستی ہے تنگ اترانا — کہ مستعار ہے۔ بوسیدہ یہ لباس ترا

(شاکر میرٹھی)

جبدن کہ فراقِ روح و تن میں ہوگا — مشکل آنا اس انجمن میں ہوگا
نازاں نہ ہو رختِ نو پہن کر غافل — اِک روز یہی جسم کفن میں ہوگا

(میر انیس)

مانا ہم نے کہ عیب سے پاک ہے تو — مغرور نہ ہو جو اہلِ ادراک ہے تو
بالفرض گر آسماں ہے تیرا مقام — انجام کو سوچ لے کہ پھر خاک ہے تو

مُسلمانان در گور و مُسلمانی در کتاب

وہ غیرتیں۔ وہ صبر۔ وہ ایماں ہیں کہاں　　　حسنِ عمل کے ولولے وہ ارماں ہیں کہاں
اِک غُل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہیں خستہ حال　　　پوچھے ذرا کوئی۔ کہ مسلمان ہیں کہاں

(اکبر الٰہ آبادی)

جنکو اسوقت میں اِسلام کا دعویٰ ہے کمال　　　دیکھتا ہوں یہ اُسی ذوق میں اُنکا احوال
جس طرح ہنسا دینے کو بے دینوں کے　　　نقل کرتا ہو مسلمان کی کافر نقال

(ذوق)

جیسے کہ روشنی ہو چراغوں کی تیل تک　ق　ویسے ہی علم تک ہے تجلّی دماغ کی
اِسلام کے فروغ میں دھندلاپن آگیا　　　دیکھو کہ تیل کم تو نہیں اِس چراغ میں

(نادر کاکوروی)

مومن تمہیں کچھ بھی ہے جو پاسِ ایماں　　　ہے معرکۂ جہاد چل دیجئے وہاں
انصاف کرو خدا سے رکھتے ہو عزیز　　　وہ جاں جسے کرتے تھے بتوں پر قرباں

(مومن)

حقیقت یہ ہے قرآنِ مجید آیا تھا دُنیا میں　ق　عمل کرنیکی نیت سے فقط پڑھنے پڑھانے کو
مگر رکھتے ہیں دنیادار اس کو اب حفاظت سے　　　اُٹھانے کو۔ ہوا دینے کو ملا ور لٹیں سُنانے کو

(نامعلوم)

جو پوچھا مجھ سے دورِ چرخ نے کیا تو مُسلمان ہے　ق　میں گھبرایا کہ اس دریافت میں کیا رمز پنہاں ہے
کروں اقرار تو شاید یہ بیمہری کرے مجھ سے　　　اگر انکار کرتا ہوں تو خوفِ قہرِ یزداں ہے
بالآخر کہہ دیا ہنسکے کہ گو مسلم تو ہے بندہ　　　ولیکن مولوی ہرگز نہیں ہے خانساماں ہے

(اکبر الٰہ آبادی)

گناہوں سے ندامت

رحمت کا تری اُمیدوار آیا ہوں　　منہ ڈھانپے کفن سے شرمسار آیا ہوں
چلنے نہ دیا بارِ گنہ نے پیدل　　تابوت میں کاندھوں پہ سوار آیا ہوں

(مرزا دبیر)

آلائشِ معصیت سے آگندہ ہوں　　زانوئے ندامت پہ سر افگندہ ہوں
اے نفسِ پلید اب کہا مانوں کیوں　　تو میرا خدا نہ میں ترا بندہ ہوں

(کوثر خیرآبادی)

روتا ہوں میں دوستو مجھے رونے دو　　دامن پہ ہے داغِ معصیت دھونے دو
اب نزع کی حالت میں نصیحت کیسی　　جاؤ بھی ہٹو۔ غل نہ کرو۔ سونے دو

(شاکر میرٹھی)

دن ڈھل گیا۔ کوئی دم میں شام آئے گی　　رحلت کا قضا لئے پیام آئے گی
عصیاں میں کٹی ہے عمر ساری شاکر　　توبہ دمِ نزع خاک کام آئے گی

(شاکر میرٹھی)

جینے سے طبیعت اب ہٹی جاتی ہے　　غفلت ہی میں اوقات کٹی جاتی ہے
یہ بے خبری ہزار افسوس انیس　　بڑھتے ہیں گنہ۔ عمر گھٹی جاتی ہے

(میر انیس)

جب کھلیں گی احوالِ قیامت آنکھیں　　کھنچیں گی بڑی بڑی ندامت آنکھیں
چلتی ہے زباں دہن میں کچھ عذر تو کر　　رو لے کہ ابھی تک ہیں سلامت آنکھیں

(میر انیس)

کارزارِ ہستی

ابتدائے عالمِ ہستی میں۔ میں بیہوش تھا　　ہوش جب آیا تو دل میں غفلتوں کا جوش تھا
پھر مصائب اور فنا کے تجربے پیہم ہوئے　　بعد ازاں جتنک جیا مغموم تھا خاموش تھا

(اکبر الہ آبادی)

بے ثباتی دنیا۔ موت اور موت کا خیال رکھنا

گو صورتِ دُنیا۔ ہمہ تن جوشش ہوں ہیں   لب خشک ہیں چشم تر ہے خاموش ہو ہیں
کیا پوچھتے ہو۔ مکان و مسکن کیسا   مانندِ حباب خانہ بردوش ہو ہیں

(میر انیس)

دُنیا سے سفر عدم کا کرنا ہے تجھے   ہستی کی منازل سے گذرنا ہے تجھے
ہے مشتِ غبار۔ جسمِ خاکی تیرا   اس خاک سے منہ لحد کا بھرنا ہے تجھے

(شاکر میرٹھی)

سودا جو کبھی گوش سے ہمت کے سنے تو ق   مضمون یہی ہے جرسِ دل کے فغاں کا
ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ   دُنیا سے گذرنا۔ سفر ایسا ہے کہاں کا

(سودا)

آج گو اے مہ جبینوں شغل ہے تم کو یہی ق   چہرہ ہے اور آئینہ ہے۔ زلف ہے اور شانہ ہے
جائے آئینہ ہے کل آئینۂ زانوئے جب   اور عوض شانے کے ٹکڑے استخوانِ شانہ ہے

(ناسخ لکھنوی)

ادبار کا کھٹکا چشم و جاہ میں ہے   جاگو۔ جاگو۔ کہ خوف اس راہ میں ہے
اٹھو اٹھو۔ یہ خوابِ غفلت کب تک   دیکھو۔ دیکھو۔ اجل کمیں گاہ میں ہے

(میر انیس)

دُنیا کی بلا۔ سر سے ہٹی جاتی ہے   میعادِ اسیری کی گھٹی جاتی ہے
ہونیکو ہے قطع۔ سلسلہ ہستی کا   جو پاؤں کی بیڑی ہے کٹی جاتی ہے

(شاکر میرٹھی)

راحت سے بسر ہوئی کہ ایذا گذری   کیونکہ تاریک گھر میں تنہا گذری
اے گنجِ لحد کے سونے والو افسوس   کس سے پوچھیں کہ تم پہ کیا کیا گذری

(میر انیس)

سفرِ آخرت ۔ زادِ سفر

اب زیرِ قدم لحد کا باب آپہونچا ہشیار ہو جلد ۔ وقتِ خواب آپہونچا
پیری کی دوپہر ڈھلی آہ ۔ انیسؔ ہنگامِ غروبِ آفتاب آپہونچا

(میر انیسؔ)

طے منزلِ وحشت و محن ہوتی ہے فرقتِ مابینِ روح و تن ہوتی ہے
کیوں نامِ کفن سُن کے لرزتا ہو بدن اِک دن یہ قبا ۔ زیبِ بدن ہوتی ہے

(میر انیسؔ)

دُنیا سے برنگِ رنگ اُڑا جاتا ہوں میں خاک تھا ۔ خاک میں ملا جاتا ہوں
آئے دمِ مرگ ابھی ۔ ابھی جانتے ہو بیٹھو کہ میں دُنیا سے اُٹھا جاتا ہوں

(شاکر میرٹھی)

وقت چلنے کے علاقوں کی خلش تا نہ رہے ق اس لئے جی کو ہر اک شے سے اُٹھایا ہم نے
خواہشیں جمع تھیں جس دل میں سو کیا ان کو وداع کچھ سے آگے ہی اسباب لٹایا ہم نے

(شوکت میرٹھی)

آتی ہیں ۔ ٹھہر ٹھہر کے سانسیں ق اب موت سے لو لگا رہا ہوں
منزل ہے قریب ۔ خوفِ غالب رُک رُک کے قدم اُٹھا رہا ہوں

(نامعلوم)

چھانتے ہو خاک کیوں دُنیا کے کاموں کیلئے ق مٹ رہے ہو رات دن کیوں جھوٹے ناموں کیلئے
کچھ وہاں کے بھی لئے یا سب یہیں کے واسطے دامِ دُنیا میں پھنسے ہو کھوٹے داموں کیلئے

(شوکت میرٹھی)

خدا کی یاد ہے ۔ طاقت ہماری مصلیٰ ہے ہمارا تختِ شاہی
ہماری فوج ہے ۔ اخلاقِ حسنہ ہمارا حصن ہے ۔ ترکِ مناہی

(اکبر الٰہ آبادی)

ایک بیراگی

(قاضی حمید الدین صاحب حمید کوٹلوی)

او رام نام والو سُن لو۔ کتھا ہماری　　　ہم بھی اُسی پیا کی صورت کے ہیں پجاری
بیراگ لیکے اُس کا آئے ہیں گیانیوں میں　　　چھوڑا ہے دیس اپنا۔ پنتھ کے ہیں بھکاری
من کی بنا کے تونبی گیت اُس کے گا رہے ہیں　　　رہتے ہیں یوگیوں میں بھگوان کے ادھاری
جنگل میں کر کے منگل۔ بیٹھے ہیں داس اُسکے　　　ست کے پریمیوں نے اک مار دی کٹاری
مُکتی کی اچھیا میں پرم آتما کی دُھن ہے　　　اک چیز پاس اپنے ساجن کی ہے دُلاری
دیکھو ہم اس نگر میں ہر چیز رام روپی　　　کس کیلئے یہ کایا پھرتی ہے ماری ماری
کرپا اُسی کی ہر سُو۔ گنگا بہا رہی ہے　　　جس کی دیا سے جگ میں جمنا کی رو ہے جاری
مکے میں اُس کے جلوے۔ کاشی میں اُسکے درشن　　　گوکل میں چھب اُسی کی تیرتھ جسکے بھاری
من موہنی وہ مورت سندر ہے جس کا مندر　　　رہتی ہے جو دلوں میں۔ سچ وہ ہی پیاری پیاری

رچنا اسی کی پیارے جگ میں رچی ہوئی ہے
اک دھوم جس کے دھن کی ہر سو مچی ہوئی ہے

آنکھیں نہیں جوت اُسکی۔ من میں اُسی کی مایا　　　سب روپ ہیں اُسی کے جس کا ہے جگ پہ چھایا
جل میں جھلک اسی کی پربت پہ ٹھاٹھ اُسکا　　　چاروں طرف وہ پربھو۔ پرم آتما ہے چھایا
آکاش پر وہ نیلا۔ اور سورج میں پیلا　　　دھرتی پہ اور لیلا کیا رنگ ہے بنایا
نفرت سے دیکھنا مت جگ میں کسی کو پیارے　　　کہتے ہیں گیان والے ہر میں ہے ہر سمایا
جھگڑا نہ کر کسی سے۔ سب پنتھ ہیں اُسی کے　　　دھنواں ہے وہ گیانی جس نے یہ گیان پایا
تو دل کو دیکھ اپنے۔ اک لال ہے یہ اُسکا　　　ہو جائیگی اسی سے کُندن بھی تیری کایا

پھل ہے کرم کا تیرے۔ تیری ہر ایک حالت
جی تو نے ہو جگت کے کس جال میں پھنسایا

کیا کر رہا ہے بھن۔ کر جگ میں میرا تیرا — بابا ہی سب ہے اُس کی۔ تیرا ہے کچھ نہ میرا
مل بیٹھنا یہاں کا سمجھے رہو غنیمت — اس لوبھ کی جگہ میں۔ دو دن کا ہی بسیرا
ایک منڈلی کے ہو تم سارے پریم بھائی — آئے ہو جس نگر سے۔ ہوگا وہیں پہ ڈیرا
ملکر کرو تم اپنا۔ ہر ایک کام پیارو — اس بے کنی میں بنیا ڈالے نہ آکے گھیرا
ہیں سب اُسی پرجا۔ گورے ہوں یا کہ کالے — آنکھوں پہ کیوں تمہاری چھایا ہی یہ اندھیرا

دو دِن یہاں پہ رہ کر بھولے ہو ریت اپنی
کیوں چھوڑتے ہو لیکن۔ پیارو پریت اپنی

کیا تھا بچن تمہارا۔ اور ڈھنگ کیا دکھائے — اس پرتھوی پر آکر۔ کیوں بن گئے پرائے
تم پڑ گئے یہاں پر۔ کن خانہ جنگیوں میں — ڈرتا ہوں میں کہ شاید۔ دھن یہ کام آئے
ہے ہے ستم تو دیکھو۔ کیا ہو رہی ہو دُرگت — روٹھے ہوئے ہیں بھائی۔ بنتے نہیں منائے
واعظ نہ چھیڑ ہم کو۔ دیکھے ہیں ڈھنگ تیرے — بستی میں اُس کی تو نے۔ فتنے کئی اُٹھائے
پنڈت نری کتھا بھی۔ کرتی ہو کام کھنڈت — تو نے بھی رامیوں کو۔ اشلوک وہ سنائے
جنسے پڑی ہوئی ہو۔ اِک کھلبلی کپٹ کی — دیکھو وہ یار ہم سے۔ جاتا ہے منہ چھپائے
تم جانتے ہو پرجا۔ اس کی نہ بیٹھے مل کر — بیٹھے تو سر تمہارے چرنوں پہ آ جھکائے
لیکن پریم والو۔ آنند ہے۔ اسی میں — جھگڑو نہ سے جی کسی کا۔ کوئی نہ یاں دُکھائے
ست گر کی ہو یہ شکشا سب سے ملاپ رکھنا — پاپی وہی بڑا ہے۔ آپے میں جو نہ آئے

اپنا تو یہ دھرم ہے اے شیخ تیرا مذہب
ملنے سے دو دلوں کے جاتا ہے گر تو جائے

سکندر اعظم کی موت

(از قلم پنڈت بشمبر داس جی اختر)

وقتِ مردن یوں سکندر نے حکیموں سے کہا　　موت سے مجھ کو بچا لو کر کے میری کچھ دوا
سر ہلا کر یوں لگے کہنے کہ اے شاہِ زماں　　موت سے کس کو پناہ ہے کیا ہے درمانِ قضا
برگزیدہ نوکروں سے پھر ہوا یوں ہم کلام　　ہے کوئی اس وقت مشکل میں مرا مشکل کشا
یک زباں ہو کر کہا سب نے کہ ہم معذور ہیں　　ناخنِ تدبیر کند ہیں۔ عقل بھی ہے نارسا
بیگموں اور لونڈیوں سے پھر مخاطب یوں ہوا　　نازنینو اس گھڑی تم سے ہے امیدِ وفا
سرد آہیں بھر کے اور با چشمِ تر کہنے لگیں　　بے بس و معذور ہیں ہم کسطرح لیں بچا
کُل خزائن اور دفائن کھول کر کہنے لگا　　اے مرے فخرِ جہاں اب ساتھ میں چلنا ذرا
لکشمی نے یوں کہا حسرت بھری آواز سے　　میں بھی ساتھی اس جہاں کی ملک ہے وہ دوسرا
طوطا چشمی دیکھ سب کی اور ٹکا سا سن جواب　　رو پڑا شاہِ سکندر ہائے میں تنہا چلا
ہو گیا مایوس جب وہ زندگی سے اسطرح　　یوں وصیت کی امیروں اور وزیروں کو بلا
ہوں طبیبِ نامور لاشہ اُٹھائے دوش پر　　منکشف تا سب پہ ہو کہ دے سکے نہ یہ شفا
بعد مرنے کے کفن سے ہاتھ ہوں نکلے ہوئے　　دیکھ لے دُنیا مجھے میں ساتھ کیا کچھ لے چلا
کل زر و لعل و جواہر ہوں بھرے چھکڑوں میں ساتھ　　بیگماتیں ساتھ ہوں اور ساتھ بڑھتی ہو الم
فیل ہوں ہو فوج سجے اور اسپ ہو بازین ساتھ　　سب رسالے ہوں مسلح ساتھ ہو ساری سپاہ
بوڑھے بچے اور جواں ساری رعایا ساتھ ہو　　ہو جنازے کا ہمارے رہنما چھوٹا بڑا
یہ وصیت کر چکا تو روح نے پرواز کی　　ہو گیا وہ شاہِ عالی راہیِ ملکِ بقا
آہ و زاری اشکباری گھر بہ گھر ہونے لگی　　جس کو دیکھو محوِ غم ہے لب پہ ہے آہ و بکا

کار پردازوں نے حکمِ آخری کی شوق سے
ہو بہو تعمیل کی سب کچھ کیا جو تھا کہا

برسات (ظہیر دہلوی)

منحصر ہر شے کا ہے نشو و نما برسات میں
حق تو یوں ہے۔ زندگی کا ہے مزا برسات میں

وہ کس جوبن پہ ہیں آب و ہوا برسات میں
زندگی کا لطف ہے پی لے بلا برسات میں

ہجر ہے معشوق کا قہر خدا برسات میں
ہو نہ دشمن سے کوئی دشمن جدا برسات میں

آج کل ملتے ہیں سب بچھڑے ہوئے او جنگجو
ندیاں نالے ہو رہے ہیں ایک جا برسات میں

بھینی بھینی وصل کی راتیں ہیں ہنجوارے کے دن
بیوفا عاشق سے ہوتے ہیں خفا برسات میں

ہے شب فرقت ہیں عاشق پر بلاؤں کا نزول
جھوم کر آئی ہے کیا۔ کالی گھٹا برسات میں

شاہدانِ گل بدن ہیں سر سے پا تک سرخ پوش
رنگ لایا ہے غضب رنگِ حنا برسات میں

کار نشتر کر رہی ہیں دل پہ بوندیں ہجر میں
تیغ زن ہے ہر طرف موجِ ہوا برسات میں

ہے چمک بجلی کی گویا بختِ عاشق کی چمک
خود لپٹتے ہیں گلے سے دلربا برسات میں

بے تکلف عاشق و معشوق میں ہوتا ہے وصل
دل سے اٹھ جاتی ہے سب شرم و حیا برسات میں

ہو سرِ تابوت بھی بارانِ رحمت کا نزول
موت بھی آئے تو آئے اے خدا برسات میں

میکشوں سے پوچھئے کیفیت موجِ شراب
واہ کیا دریا ہے لہریں لے رہا برسات میں

بادہ نوشوں پر ہے زاہد رحمتِ باری کا جوش
جھومتے پھرتے ہیں کیا ابر و ہوا برسات میں

دیدۂ پرخوں لگائے کیوں نہ ساون کی جھڑی
وہ گلابی پوش ہے مجھ سے جدا برسات میں

کیا حلاوت زندگی کی عہدِ پیری میں ظہیر
ہے جوانی کے لئے لطفِ فضا برسات میں

کہا جو دل سے تجھکو تماشہ ایک دکھا لاؤں
نہ کا کل عرق آلودہ وہ گردن جھلکتی ہے

لگا کہنے طپش میں گھر سے باہر کس طرح نکلوں
اندھیری رات ہے برسات ہے بجلی چمکتی ہے

(جلیل دہلوی)

جھولا

(پروفیسر محمد عبد الغفور شہباز)

مبارک ہو۔ لگیں آنے پھواریں — خزاں رخصت ہوئی آئیں بہاریں
پڑے خوبی سے امریوں میں جھولے — ہوا میں حسن کے گلزار پھولے
وہ ریشم کی ہری اور لال ڈوری — حنائی انگلیاں وہ گوری گوری
کمر خوبی سے پینگوں پر لچکتی — خوشی دل میں امنگیں ہیں اچکتی
سہانی وہ دلوں کی سنسناہٹ — مزوں کی پیاری پیاری دلمیں آہٹ
ادا کچھ پا کے وہ کھوئی ہوئی سی — وہ دہشت دودھ دھوئی ہوئی سی
وہ ہر دم دل میں اٹھتی گدگدی سی — دمکتی دم بدم۔ منھ پر خوشی سی
سبک سیدھی۔ سرکتی۔ تھرتھراتی — زمیں ٹھیری ہوئی وہ نکلی جاتی
نہ جمتی آنکھ میں ہموار ہوتی — ہوا کی طرح خوش رفتار ہوتی
وہ پینگوں کا بڑھانا بانکپن سے — یکایک دل کا ہو جانا وہ سن سے
بڑے پینگوں کے جھوکوں سے جھکولے — لگے دل میں امنگوں کے ہنڈولے
بنا رکھی ہیں پینگوں نے کمانیں — کہ سب خوش قامتوں کو تیر جانیں
ہوئے جاتے ہیں دل ہر چند سن سن — برابر چل رہے ہیں تیر زن زن
کھڑی پینگوں پہ ہیں جو تیر قد دو — انھیں دو بترہ پرکار سمجھو
بھری ہیں ان میں اقلیدس کی شکلیں — دوائر اور قوسیں ان سے نکلیں
غرض ہے ان سے عشرت کی مساحت — کہ ہو ثابت دلوں میں شکل راحت

لکھا شہباز نے جھولے کا کب حال
بچھایا عشق نے اس آڑ میں جال

رباعیات

دل سے طاقت بدن سے کس جاتا ہے　　آتا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے
جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا　　یاں اور گرہ سے ایک برس جاتا ہے

(میر انیس)

پیشِ اُمرا طالب زر جُھکتے ہیں　　سجدے سے سوا مجرے ہیں سر جھکتے ہیں
سنجیدہ ہیں یہ لوگ ترازو کی مثال　　ہے مال جدھر سو اُدھر جُھکتے ہیں

(میر انیس)

وہ صبر مرا وہ بردباری تیری　　بُھولے گی نہ مجھکو مر کے یاری تیری
اللہ سب کی یوں ہی نباہے۔ اے فقر　　جس طرح کہ نبھ گئی ہماری تیری

(میر انیس)

غافلو ہو کہ نہ ہو تم کو سفر میں کچھ سود　قطعہ　ساعتِ نیک منجم سے مگر پوچھتے ہو
لیک جب جانتے ہو دُنیا سے سوئے ملک عدم　　نہ کوئی دن۔ نہ کوئی وقت سفر پوچھتے ہو

(شاہ ظفر)

جھڑے پھول جس رنگ۔ گلبن سے یوں　قطعہ　چمن میں جہاں کے ہم آکر چلے
نہ دیکھا غمِ دوستاں شکر ہے　　ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے

(میر تقی میر)

قبر اپنی بنا کے اپنی ہی میت پر　قطعہ　روتا تھا ایک شخص اور زار تھا وہ
کہتی تھی خلق سب اُسے دیوانہ　　میں نے دیکھا تو ایک ہوشیار تھا وہ

(ناظر کاکوروی)

کہنے کو اِدھر اُدھر گئے ہم　　تھے تیری طرف۔ جدھر گئے ہم
تا جان نہ ہوئی عدول حکمی　　تو نے کہا مر تو مر گئے ہم

حُبّ وطن

(پروفیسر مولانا آزاد دہلوی)

دِلّی کہ جو ہمیشہ سے کانِ کمال ہے / جو باکمال اس میں ہو وہ بے مثال ہے
ایک شخص واں ستار نوازی کی جان تھا / پر جان سے عزیز تھا دِلّی کو جانتا
آیا دکن سے خلعت و زر اُسکے واسطے / اور نقد بہر زادِ سفر اُس کے واسطے
ہر چند منہ تو دِلّی سے موڑا نہ جاتا تھا / پر ہاتھ سے یہ مال بھی چھوڑا نہ جاتا تھا
مطلب یہ ہو کہ بعد بہت قیل و قال کے / اسباب سارا راہِ سفر کا سنبھال کے
دِلّی کو یہ بھی چھوڑ کے سوئے دکن چلے / پر جیسے چھوڑ کر کوئی بلبل چمن چلے
پہنچے مگر ابھی تھے درِ راج گھاٹ پر / جو دفعتاً نظر پڑی دریا کے گھاٹ پر
دریا کی لہریں دیکھ کے لہرایا اُنکا دل / اور دِلّی چھوڑتے ہوئے بھر آیا اُنکا دل
منہ پھیر کر نگاہ جوں ہی شہر پر پڑی / جلوہ دکھاتی جامع مسجد نظر پڑی
جب وہ پیامبر کہ جو آیا دکن سے تھا / اور اِن کو لے چلا وہ چھڑا کر وطن سے تھا
دیکھا نگاہِ یاس سے اور اُس سے یہ کہا / پیچھے چلیں گے پہلے مگر یہ تو دو بتا
ایسی تمہارے شہر میں جمنا ہے یا نہیں / منہ دیکھ کر وہ انکا ہنسا اور کہا نہیں
پھر سوئے شہر اشارہ کیا اور یہ کہا / مسجد بھی اس طرح کی دکھا دو گے واں بھلا
وہ شخص مسکرایا کہ یہ کیا سوال ہے / اس خانۂ خدا کا تو ثانی محال ہے
ہے اپنی طرز میں یہ نرالی جہان سے / اُتری زمیں پہ جس کی شبیہ آسماں سے
یہ بات اس کی سنتے ہی چیں بر جبیں ہوئے / اور بولے خیر ہے کہ روانہ نہیں ہوئے
جمنا نہیں ہے جامع مسجد جہاں نہیں / سنتے بھی ہو میاں ہمیں جانا وہاں نہیں
اپنے دکن کو آپ روانہ شتاب ہوں / پر اس چمن کو چھوڑ کے ہم کیوں خراب ہوں
اور گاڑی اپنی تو بھی میاں گاڑیبان پھیر / گر اب کچھ نہ یاں سہی تو قسمت کا جان پھیر
ہم اپنی دِلّی چھوڑ دکن کو نہ جائیں گے / گر یاں بہت نہ کھائینگے تھوڑا ہی کھائینگے

میخوار کی ترنگ

(جناب منشی نادر علی خانصاحب نادر کاکوروی)

چلے ساقیا دورِ ساغر چلے — بس اب رات بھر اور دن بھر چلے
جوانی کے پائیں مزے پاکباز — کہاں کی عبادت کہاں کی نماز
ترے ہاتھ تک جوڑتا ہوں میں لے — ارے اب تو ظالم کوئی جام دے
اسی میں ہے کچھ میکشی کا مزہ — جو یوں گڑگڑا کر ہوں میں مانگتا
نہیں تو ہوا جاؤں میں بات پر — تو تو کیا ہے ساقی ادھر کر نظر
ابھی سر اٹھا کر کہوں یا غفور — برسنے لگے بس شراب طہور
اترنے لگیں عرش سے کشتیاں — مے لعل گوں اور بھنی مچھلیاں
مجھے ایسا ویسا نہ سمجھے کوئی — فقیر ایک ٹھسکا نہ سمجھے کوئی
مریدان و پیرانِ جوش و خروش — مرے آگے بیٹھیں مؤدب خموش
مری بات ! اور پلٹیں یہ بد شعور — کہے جائیں۔ سچ ہے۔ بجا ہے حضور
ہے دور فلک میرے سر کا اتار — ثریا کا چوکھ ہے مجھ پر نثار
زمانے کو میں سر ہلانے نہ دوں — ادھر کھنچنا ہے ادھر کان لوں
یہ بانکے۔ یہ ترچھے۔ یہ خوبانِ ناز — نکیلے۔ سجیلے۔ حسیں عشوہ باز
ہیں ان سب کی باگیں مرے ہاتھ میں — جدھر موڑ دوں میں۔ ادھر یہ چلیں
ادا بھول کر۔ شوخیاں چھوڑ کر — چلیں میرے حکم اور اشارات پر
جو دیکھیں تو میرا ہی روئے نکو — جو سونگھیں تو میرے پسینے کی بو
میں جب مست ہوں یہ سنبھالے رہیں — گلے میں مرے باہیں ڈالے رہیں
کبھی روٹھ کر میں جو جاؤں مچل — تو بس جان ہی ان کی جائے نکل

خوشامد سے فوراً منائیں مجھے — جوانی کی قسمیں دلائیں مجھے
کہاں مجھ سا پائیں گے خوش رو جوان — جواں۔ اور پھر ایسا گبرو جواں
نہیں لوگ باقی مری عمر کے — وہ سب بوڑھے ہو ہو کے مرکھپ گئے
مگر میں ابھی تک ہوں بیٹھا جواں — وہی میرے تیور۔ وہی آن بان
قوی ہوں۔ توانا ہوں۔ اور تندرست — بدن سب کرارا۔ کسا سخت۔ چست
اگر دیو کے مار دوں ایک لات — تو پھر۔ کر سکے اُٹھ کے ہرگز نہ بات
کوئی مسخرا آزمائے کبھی — ذرا آکے پنجہ ملائے کبھی
چھپائے ہوئے ہوں میں اپنا کمال — بنائے ہوں اپنے کو گدڑی کا لعل
کہیں پر نہ جائے کسی کی نگاہ — بنائے نہ اپنا مجھے بادشاہ
طبیعت میں یاں خود نمائی نہیں — مجھے آپ منظور شاہی نہیں
لچر ہیں نظر میں مرے تخت و تاج — کروں کیا میں لے کر محاصل خراج
کوئی مجھ کو بھرنا خزانہ نہیں — مجھے قبر میں لے کے جانا نہیں
اگر عرس ہوتا رہا بھی تو کیا — کوئی مقبرہ بن گیا بھی تو کیا
ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہے — یہ سب کچھ ہوا۔ ہم اکیلے رہے
زمانے کے افکار و غم کے سوا — دھرا بادشاہی میں ہے اور کیا
یہ اقلیم لو اور وہ اقلیم لو — حکومت بڑھاؤ خزانہ بھرو
اِدھر جان اپنی بچانا محال — اُدھر خون ناحق کا سر پر وبال
غرض تخت و تاج شہی کچھ نہیں — یہ زحمت بھری زندگی کچھ نہیں

مزا بادشاہی کا مستی میں ہے
سو بے فکری اور خود پرستی میں ہے

مخمس امانت

(بر غزل امانت لکھنوی)

دیکھیے اِن گلعذاروں کی فضا دو چار دن
اس چمن میں نخلِ دل رکھیے ہرا دو چار دن
زندگانی کا اُڑا لیجے مزا دو چار دن
مغتنم ہے باغِ عالم کی ہوا دو چار دن
صورتِ گل ہو یہاں نشو و نما دو چار دن

غور تم کو چاہیے اپنے مآلِ کار پر
بل نہیں لازم ہو اِتنا گیسوئے خمدار پر
آمد آمد ہے خزاں کی حسن کے گلزار پر
سبزۂ خط کا نمو ہے چاند سے رُخسار پر
اور رُخ پر چھوڑ تو زلفِ دوتا دو چار دن

آجکل اس کو غرورِ حسن ہے حد سے سوا
گفتگو میں طاق ہو۔ اصلا نہیں شرم و حیا
واسطہ خالق کا دیکر کی جو میں نے التجا
مدعائے وصل سنکر وہ صنم کہنے لگا
بیٹھکر مسجد میں کر یادِ خدا دو چار دن

لے چلونگا آج اپنے گھر تجھے میں کھینچ کے
اعتبار اِن جھوٹی باتوں کا نہیں ہرگز مجھے
میں نہ مانونگا کبھی فقرہ کسی ناداں کو دے
واہ رے وعدہ ترا۔ قربان وعدہ کے ترے
ایک دن کے ہو گئے اے بیوفا دو چار دن

ایک دن ہونا ہو ہر اعلی کو ادنی کو فنا
یہ مسافر خانہ ہے اے غافلو عبرت کی جا
سلطنت دنیا میں کی تو کیا فقیری کی تو کیا
روز آتی ہے لبِ گورِ غریباں سے صدا
شادی و غم ہے پئے شاہ و گدا دو چار دن

توڑنے پر پھول دیں ہمکو ہزاروں گالیاں
دور ہو تیرا کوئی کب کھول سکتا ہو زباں
خاک اُڑیگی باغ میں جب آگئی خزاں بہار
نکہتِ گل پھر کہاں۔ بادِ بہاری پھر کہاں
باندھ لے اے باغباں اپنی ہوا دو چار دن

مست ہوجاتا ہو دل گلگشت میں وقتِ سحر
موج بادِ صبح موجِ مے کا رکھتی ہے اثر
بادہ کش تو اک طرف مجکو یہ آتا ہے نظر
زاہدوں کی رال ٹپکے گی مئے گل رنگ پر
گر رہی یوں ہی گلستاں کی ہوا دو چار دن

ہاتھ میں تسبیح رکھئے خلق تا دانا کہے
زیب سب کیجئے سر پر عمامہ باندھ کے
جال وہ پھیلایئے ہر اہل زر جسمیں پھنسے
دام پیدا کیجئے مئے ہو چکی مفلس ہوئے
بیٹھیئے مسجد میں بن کر پارسا دو چار دن

مخمس امانت

حسینوں میں لقب تیرا ستم ایجاد کیا کیجے
رقیبوں کو شکایت کر کے تیری شاد کیا کیجے
متاعِ ضبط کو منہ کھول کر برباد کیا کیجے
خیال آتا ہے دل کو شکوہ بیداد کیا کیجے
خدا سے اے بتِ کافر تری فریاد کیا کیجے

عروجِ فصلِ گل میں قید ہوتا ہے ستم اپنا
دگرگوں حال اے بادِ صبا پاتے ہیں ہم اپنا
خدا لیجائے دیکھیں باغ میں کس دن قدم اپنا
بہار آئی ہے گلشن میں گھٹا جاتا ہے دم اپنا
قفس کے در کو وا کرتا نہیں صیاد کیا کیجے

دلا آہوش میں اتنی طرفداری نہیں زیبا
جسے پروا نہو اپنی عبث اس کا ہو پھر چرچا
عبث بھرتا ہو دم اُس بیمروت کی محبت کا
عبث کرتا ہو تو ہم سے خیالِ یار کا شکوہ
جو بھولے آپ کو اے دل اسے پھر یاد کیا کیجے

یکا یک جوشِ وحشت نے جو دشتِ نجد دکھلایا
پکارا قیس مولا نا جنون سی دل ہے تنگ آیا
عنایت سے خدا کی عشق میں کیا مرتبہ پایا
امانت کوہ پر پہنچا تو یوں فرہاد چلایا
لبوں پر جانِ شیریں ہو۔ اب اے استاد کیا کیجے

انقلابِ دہر

(خان بہادر محمد یوسف صاحب رنجور تضمین بر غزل حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم)

بتوں کی جستجو میں دیر کے عازم نہ ہم ہونگے کلیساؤں میں جا کر عاشقِ روئے صنم ہونگے
غلط ہے یہ کہ اگلی وضع کے پابند کم ہونگے یہ موجودہ طریقے راہیِ ملکِ عدم ہونگے
نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہونگے

نرالے ڈھب کے نکلیں گے مضامین طبع موزوں سے نئے انداز کے ٹپکیں گے معنی طرزِ مضموں سے
ہویدا ہوگی از بس ہوشیاری شکلِ مجنوں سے بدل جائیگا اندازِ طبائع دورِ گردوں سے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسبابِ غم ہونگے

نہ دیواروں سے ہونگی وصلیاں چسپاں پئے تزئین نہوگی اب کسی خوش خط کی ٹھپکی کی کہیں تحسین
رہیں گے محو ہو کر فنِ خطاطی کے سب آئین نہ پیدا ہوگی خطِ نسخ سے شانِ ادب آگیں
نہ نستعلیق صرف اس طور سے زیبِ رقم ہونگے

تصاویرِ خواتیں زیب دہ اب ہونگی البم کی جوابِ فینسی یہ چڑھتی ہیں انھیں سوجھیگی ٹم ٹم کی
عوض بیگم کے ہر لب سے صدا نکلے گی میڈم کی خبر دینی ہو تحریک ہوا تبدیلِ موسم کی
کھلیں گے اور ہی گل زمزمے بلبل کے کم ہونگے

زبانوں پر سنا جائیگا نامِ حق بھی قلت سے خدا از بس نکل جائے گی۔ لوگوں کی جبلت سے
بدل بادۂ احمر کی حرمت ہوگی حلت سے عقائد پر قیامت آئے گی ترمیمِ ملت سے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہوں گے

بتائیں کیا کہ آئندہ زبانِ ہند کیا ہوگی ہمارے روزمرہ سے نئی اردو جدا ہوگی
نئی شان اس کی ہوگی اور نئی اس کی ادا ہوگی ہماری اصطلاحوں سے زباں ناآشنا ہوگی
لغاتِ مغربی بازار کی بھاکا سے ضم ہونگے

تباہی اور بربادی میں ایسا لطف پائینگے		بجائے نوحہ بسٹ جاتی پہ اپنی گیت گائیں گے
سلف کی یاد ہم یوں صفحہ دل سے مٹائینگے		گزشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائینگے

کتابوں ہی میں دفن افسانہ جاہ و حشم ہونگے

بتاؤ تو تمہاری آنکھ کیوں پُر نم ہوا اے اکبر		تمہارے چہرے پر کیوں غم کا یہ عالم ہوا اکبر
کہو رنجور سے تم کس لئے یہ ماتم ہے اے اکبر		تمہیں اس انقلاب دہر کا کیا غم ہوا اے اکبر

بہت نزدیک ہے وہ دن کہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

دعوت عید

(جناب میر شبیر احمد صاحب مفتوں آنرولوی)

عید کے دن تو کرم فرمایئے		خانۂ دل میں مرے آجایئے
شکوۂ دل کا نہ کچھ کیجے خیال		عید کا دن ہے گلے لگ جایئے
چارۂ بیمار الفت کیجیے		میری بالیں پر مسیحا آیئے
آکے آغوش محبت میں مری		غمزۂ ناز و ادا دکھلایئے
خشک لب ہیں سوز ہجراں سے مرے		ساغر وصلت مجھے پلوایئے
آتش فرقت جلاتی ہے مجھے		بارش مہر و وفا برسایئے
ہم کھڑے ہیں آرزوئے دید میں		آپ چلمن سے ادھر آجایئے
ہو مبارک چاند تم کو عید کا		چاند سا مکھڑا مجھے دکھلایئے
اپنے میخانہ سے بھر کر جام مے		پیجئے خود اور مجھے پلوایئے
خنجر ظلم و ستم رکھ دیجیے		قتل عاشق نہ روا فرمایئے

غیر خوش ہو ہو کے ملتے ہیں گلے
آپ مفتوں کے گلے لگ جایئے

جلوہ گاہِ دُنیا

(جناب نادر علی خاں صاحب نادر کاکوروی)

عجیب ترکیب سے رکھی ہے صانع نے بنا اسکی کہ صدیاں ہو گئیں اِک اینٹ بھی اسکی نہیں کھسکی
لگی رہتی ہو آمد و رفت جسمیں روز جس تس کی وہی رونق ہو جسکی اور وہی دلچسپیاں جس کی
خدا جانے یہ دُنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اُٹھ گئے لیکن وہی رونق ہو مجلس کی

کچھ اس حکمت سے ہو ترکیب اسمیں رطب یابس کی کہ یہ پہنچا اُدھر جاڑا۔ اگر گرمی اِدھر کھسکی
بس اِک دورِ تسلسل ہو بہار اسکی خزاں اس کی وہی جُنوں ہو بُلبُل کی وہی آنکھیں ہیں نرگس کی
خدا جانے یہ دُنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اُٹھ گئے لیکن وہی رونق ہو مجلس کی

بساطیں اُٹھ گئیں بچھ بچھ کے دارا و سکندر کی صفیں برہم ہوئیں جم جم کے خاقان اور قیصر کی
جہاں تھی نورتن کل تک بکرماجیت و اکبر کی وہاں اجلاس کونسل کر رہی ہو اب گورنر کی
خدا جانے یہ دُنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اُٹھ گئے لیکن وہی رونق ہو محفل کی

خم و مینا میں تلچھٹ کیا کہ اِک آخور باقی ہے مگر مستوں کے دل میں شوق ابھی بھرپور باقی ہے
اِدھر غُل ہو کہ ہاں پیرِ مغاں کچھ اور باقی ہے اُدھر اِک شور برپا ہو ہمارا دَور باقی ہے
خدا جانے یہ دُنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اُٹھ گئے لیکن وہی رونق ہو محفل کی

زمانہ روز لاکھوں کے گلے کٹوائے گا یوں ہی پئے گا خوں یوں ہی اور کلیجے کھائیگا یوں ہی
زمیں پھولیگی اور خوں آسماں برسائیگا یوں ہی یہی ہوتا رہا ہو اور ہوتا جائے گا یوں ہی
خدا جانے یہ دُنیا جلوہ گاہِ ناز ہو کس کی (الخ)

شہرِ خموشاں

جامِ جم دیکھئے کیوں دورِ ساغر دیکھئے کس لئے ساقی کا حُسنِ روح پرور دیکھئے
ذوق سے گر خاک کی بستی کا منظر دیکھئے ذرّے ذرّے میں ہو اِک عبرت کا دفتر دیکھئے
کیسے کیسے نامور اور کیسے کیسے تاج دار
سو رہے ہیں سر سے اوڑھے چادرِ گرد و غبار

کوئی مونس ہو نہ اُن کا اور نہ کوئی غمگسار چارہ گر ہے اب نہ کوئی اور نہ ہے تیمار دار
چند افعی سب اُن کے گلے کے اب ہیں ہار ہڈیوں پر اُن کے کیڑوں نے کیا نقش و نگار
مرجعِ دُنیا تھے اور ہر علم میں یہ طاق تھے
سب وہی تو ہیں جو کل تک شہرۂ آفاق تھے

کام آتی ہے نہ دولت اور نہ حشمت اب یہاں وہ حکومت ہو نہ انکی اور نہ ہیں وہ حکمراں
وہ ہیں اور زیرِ زمیں ہو تنگ تاریک اک مکاں وہ ہیں اور اک قید خانہ۔ وہ ہیں اور اک خاندان
ہاں مگر اخلاق ان کے صفحۂ دُنیا پہ ہیں
یادگار اشفاق اُن کے صفحۂ دُنیا پہ ہیں

کس قدر ہو تفرقہ پرداز چرخِ کج مدار ایک حالت پر کبھی رہنا نہیں اُس کو قرار
دیکھ کر اس صفحۂ خاکی پہ ہر اِک کا مزار پڑھ رہا ہوں حضرتِ غالب کا مطلع بار بار
سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں

الوداع اے دوستانِ باوفا و باصفا الفراق اے جاں نثارانِ عزیزِ باوفا
الرحیل اے رہ نوردانِ طریقِ ابتداء السفر اے ساکنانِ گلشنِ دار الفنا
السلام اے بعد ما آیندگانِ رفتنی
بر شما خوش باش ناخوش ہائے دُنیائے دنی

قطعۂ حکیم مومن خاں مومن دہلوی

سُوا جاتا ہوں اب جی میں ہو اس بیدرد کو لکھوں — کہ مجھ کو تختۂ مشقِ اطبا کیوں بنایا ہے
نہ یہ سمجھیں سبب نے کچھ علامت سے مرض پاویں — نِڑی ہیں آپ۔ مالیخولیا مجھکو بتایا ہے
کوئی کہتا ہو آلو دو۔ کہ صفرائے کراثی ہے — سیہ رونے ہرا جو رنگ کو چہرے کے پایا ہے
کوئی کہتا ہو کبیر غش ہوا جب بیخودی چھائی — مجھے وسواس سرسام درو غیں راست آیا ہے
کوئی کہتا ہیں سمجھا یہ سرجو اُٹھ نہیں سکتا — نُدالِ رُوحِ انسانی نے بارو سر اُٹھایا ہے
کوئی کہتا ہو جانتا ہو یہ گرمی غبِ خالص کی — اسی جانسوز شعلہ نے دہواں دلکا اُڑایا ہے
کوئی کہتا ہو ترکیب اور غالب خلطِ بلغم ہے — رطوبت گر نہیں تو کیوں پسینے میں نہایا ہے
کسی کو قشعریرہ سے عفونت کا جو دھیان آیا — تو آخر سونگھنے کو بَول کا شیشہ منگایا ہے
کوئی کہتا ہو یہ سکتہ ہو نظروں میں ہماری تو — کئی بار احمقوں نے لاکے آئینہ دکھایا ہے
کوئی سمجھا جو تلخی ذائقہ کی مرکہ روئی سے — تو کہتا ہے گا ہے شہدِ خالص بھی چٹایا ہے
کوئی اطراف کی سردی سے گرمِ شور غوغا یوں — کہ سینکو چارہ بالضد مکرّر آزمایا ہے
کوئی کہتا ہو دیکھو ممتلی ہے نبض مسہل دو — ولیکن پیشتر سے گر کوئی منضج پلایا ہے
کسی کو کم غذائی سے گماں ہے ناتوانی کا — تو کہتا ہو کہ جلدی لاؤ گر کچھ بھی پکایا ہے
کسی نے شربت وردِ مکرر کی جو ٹھیرائی — تو کوئی سُن کے مثلِ غنچۂ گُل مسکرایا ہے
کوئی کہتا ہے اب تو ہو گیا کیلوس بھی ناقص — کہ سالم ویسے ہی ہیں گرچہ ہونٹوں کو چبایا ہے
کوئی کہتا ہو۔ پانوں جو تشنج سے سکڑتے ہیں — کہ قطرب ہو یہی قانون میں میں نے پڑھایا ہے
کوئی کہتا ہو یہ سوزش غریزی ہو کہ نسخہ میں — کبھی اجزا ارباردِ بندہ تحفہ ساتھ لایا ہے
کوئی کہتا ہو اس آتش کا اطفا سخت مشکل ہے — مگر دیدہ کوئی گر برف کا کوزہ جمایا ہے
کوئی کہتا ہو بالخاصیت ہے برف میں گرمی — تمہیں ہماری مداوا کس ستمگر نے سکھایا ہے

۱؎ سبزی مائل صفرا
۲؎ سرسام بلغمی
۳؎ صفراوی بخار
۴؎ انتہائی دیوانگی۔

کوئی کہتا ہے روغن دیجیے بادام مقشر کا
یہ نسخہ مرتے دم استاد نے مجھ کو بتایا ہے

مگر عمِ فلاطوں منزلت میرے یہ کہتے ہیں
مرض وہ ہی ہے لیکن شرم کے مارے چھپایا ہے

یہ سودائے عشق ہے تیرا یہ تپ سوزِ غم ہی وہ (حرارت عارضی)
کہ بیجا گرمیِ صحبت نے تیری جی جلایا ہے

یہ تلخی ذوق کی وہ تلخکامی ہے کہ حسرت نے
لبِ شیریں کے بوسہ کا مزہ تجھ کو چکھایا ہے

یہ حضرت لون کی پرتو ہے تیری سبزہ رنگی کا (زردیِ رنگ)
نہ ہے نیرنگِ شوقِ محبوبیت کیا رنگ لایا ہے

عرق وہ اشک ہے جو پاسِ رسوائی سے روکا تھا (پسینہ)
اُسی کے جوش نے دریا کا دریا یوں بہایا ہے

صداع و صدر کا باعث بھی تیری بد دماغی ہے (دردسر، دوران سر)
اگرچہ صحبتِ ناصح نے بھی سر تو پھرایا ہے

سبب ظاہر ہے اضمحلال و ضعف و ناتوانی کا (لاغری)
قلق نے کاوشیں کی ہیں الم نے جی کھپایا ہے

وہ کیوں کر کانپ کانپ اُٹھوں زمانے کی ہوا بگڑی
فلک نے سرد مہری سے تری کیسا ڈرایا ہے

مندی جاتی ہیں آنکھیں بسکہ شبہائے جدائی ہیں
سحر تک شام سے خوابیدہ طالع نے جگایا ہے

افاقہ غش سے کیا ہو تا کہ تیری کاکل مشکیں
نہ سونگھی گر سنگھایا ہو تو عطرِ خس سنگھایا ہے

نہ کیونکر امتلائے معدہ ہو محسوس اک مدت
غمِ فرقت تری دوری ہیں کس کثرت سے کھایا ہے

غرض آچک کہ میں بچ جاؤں اور مرجائے بن آئی
مسیحا دردِ حسرت سے کہ کیا مردہ جلایا ہے

قطعہ

اے چارہ گر دوا اگر سودا تجھے ہوا ہو
مجھ کو سنبھالتا ہو اب مجھ میں کیا رہا ہے

دل ہو مگر کہاں اب اُس میں ہجوم ارماں
گھر رہ گیا ہو لیکن اُجڑا اُجڑا ہوا ہے

نادر کاکوروی

قبر پر مجنوں کی جا پوچھا کسی نے یہ سخن
یادِ لیلیٰ دل میں باقی اب بھی ہو اے خستہ تن

بھر کے ٹھنڈی سانس بولا کھینچکر منہ سے کفن
شورِ بلبل کم نہ گردد گر رود بلبل از چمن

حسن بے بنیاد باشد عشق بے بنیاد نیست

نامعلوم

گناہ کی بیماری (اور اس کا نسخہ)

روایت ہے کہ شبلی شیخ کامل
بزرگِ پاک باطن صاحبِ دل

سوئے دار الشفا گذرے تو دیکھا
کہ بیٹھے ہیں معالج اور اطبا

دوائیں سیکڑوں آگے دھری ہیں
گیاہِ خشک سے پُڑیاں بھری ہیں

مریضوں سے مکاں سارا ہے معمور
کوئی نزدیک ہوا بیٹھے کوئی دُور

کوئی نالاں ہے کوئی چُپ پڑا ہے
کوئی بیٹھا ہے اور کوئی کھڑا ہے

اطبا سب ہیں صرفِ چارہ سازی
زبان پر سُن کے حرفِ چارہ سازی

کہا شبلی نے بھی اِک چارہ گر سے
بہا کر اشک اپنی چشمِ تر سے

کہ مجھ کو بھی گناہوں کا مرض ہے
شفا حاصل ہو اس سے یہ غرض ہے

اگر اسکی دوا بھی ہو ترے پاس
نہ توڑ اس وقت مجھ رنجور کی آس

کہ میں اس درد سے ہوں سخت بیتاب
رہا کرتا ہوں اکثر بے خور و خواب

کہا اس نے نہیں اس کی دوا کچھ
نہیں تدبیر جز فضلِ خدا کچھ

یہاں ہوگا نہ اس غم سے افاقہ
طبابت کو نہیں اس سے علاقہ

کوئی دیوانہ تن کے چُن رہا تھا
یہ باتیں جو ہوئیں سب سُن رہا تھا

اُٹھا کر سر کہا شبلی اِدھر آ
بتا دوں میں دوا اس کی اِدھر آ

نسخہ

حیا کے پھول صبر و شکر کے پھل
نیاز و عجز کی جڑ۔ غم کی کونپل

نہالِ صدق کی ڈالی کے اوراق
ادب کی چھال۔ تخمِ حسنِ اخلاق

ریاضت کی اگر ہاون ہو ممکن
تو سب کو کوٹ ان کو رات اور دن

عرقِ اشکِ پشیمانی کا لے کر
کیا کر روز تو اس میں انھیں تر

کئی چلے یہی معمول کر لے ۔ پھر انکو دیگچی میں دل کی بھر لے
انھیں نازِ محبت پر پکانا ۔ رہے خامی تو جان اپنی جلانا
مناسب چھاننے کا پھر ہو ساماں ۔ صفائی قلب کی صافی میں تو چھان
جو چھنکر صاف ہو جائے وہ پانی ۔ ملانا شکر شیریں زبانی
کہ یہ معجون کھاتی ہے بڑی آنچ ۔ محبت کی اسے دینا کڑی آنچ
غرض جب ہو چکے معجون تیار ۔ رہے نقصان باقی کچھ نہ زنہار
تو رکھنا حفظ کی ڈبیہ میں بھر کے ۔ ہوائے اتقا سے سرد کر کے
جہاں تک تجھ سے کھائی جائے کھانا ۔ کچھ اس کی قدر شربت پر نہ جانا
مضر ہونیکا اندیشہ نہیں کچھ ۔ ضرر اس نے نہیں بخشا کہیں کچھ
موادِ فاسدِ عصیاں کے حق میں ۔ نہیں مثل اس کا ہستی کے ورق میں
ہوا ہو جائے گا وردِ معاصی ۔ جو چاہے امتحاں کر دیکھے عاصی
یہ نسخہ ہے نہایت آزمودہ ۔ اطبائے معارف کا ستودہ
کہا شبلی نے حضرت بارک اللہ ۔ یہ نسخہ ہے کرامت بارک اللہ
یہ کہکر ہو گیا غایب وہ مجنوں ۔ پھر آئے شیخ شبلی تھا جگر خوں
خداوندا وہ توفیق اب عطا کر ۔ کہ اس نسخہ کو یہ عاصی بنا کر

گناہوں کے مرض سے پائے صحت
مرض جائے الٰہی آئے صحت

رباعی میر انیس

افسوس یہاں سے نہ سبکبار چلے ۔ ایذاؤ مصیبت میں گرفتار چلے
دنیا میں تو بیگناہ آئے واں سے ۔ یہ کیا ہو کہ عقبیٰ میں گنہگار چلے

واعظ و شاعر

(از جناب مولانا۔ شفق عماد پوری)

ایک شاعر تھا نوا سنجِ سخن جس بزم میں — حضرتِ واعظ وہاں تشریف لائے ناگہاں
دیکھ کر ریشِ مقدس اور دستارِ بلند — دی جگہ اونچی اُٹھے تعظیم کو پیر و جواں
بیٹھکر مسند پہ یوں شاعر سے حضرت نے کہا — بہرے آگے بند کر او بے ادب اپنی زباں
ہرزہ گوئی تیری عادت لاف سنجی تیری خو — کفر کیا بکتا ہے اے لسان اور کذاب البیان
باتیں ہی باتیں ہیں جو کہتا ہے تو کرتا نہیں — تجھپہ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ آیا ہے صادق ہیگماں
آیۂ وَاَنَّهُمْ دیکھ لے قرآن میں — منزلِ مقصود سے بھٹکا ہے تیرا کارواں
مدح میں ممدوح کے اتنا غلو اور پست فکر — رکھدے قدموں کے تلے تو کرسی و آسماں
ہجو میں تحقیر و استہزا کے وہ لاف و گزاف — جنکو سنکر رکھ لیں کانوں میں مہذب انگلیاں
توبہ توبہ! بندہ بت ہو مسلماں ہو کے تو — ہو موحد اور پڑھے کافر صنم کی داستاں
کوئے جاناں تیری جنت، تیرا کعبہ بتکدہ — مدرسہ میخانہ اور مرشد ترا پیرِ مغاں
عشقِ امرد ہے شریعت میں حرام او بیحیا — شرم شرم اے پیرِ نابالغ کہاں تک شوخیاں
اک بلا ہے کنگھی چوٹی اُسپہ یہ طرّہ ہے اور — چوڑیاں ہاتھوں میں ہونٹوں پر مسی و رنگِ پاں
وصف میں نازک کمر کے بال کی کھینچی ہے کھال — غیرتِ تارِ نظر ہے یار کا موئے میاں
ناف سے ڈانڈا ملاتا ہے عدم کا تو کبھی — گُم کبھی ہے کھو کے عنقائے دہن کا آشیاں
رُخ کو یوسف، لب کو عیسیٰ، سبز خط کو کہہ کے خضر — انبیاء کی شان میں کرتا ہے کیوں گستاخیاں
چشمِ گریاں سی ہوئی پل بھر میں بپا طوفانِ نوحؑ — جھوٹ کے پُل باندھتا ہے کسقدر تو الاماں
کون قاتل اور کس کا ہے شہیدِ ناز تو — تیغ کیسی اور کس جلّاد کا ہے نیمچاں
کام کے کب ہیں فقط ہیں نام کے یہ اسلحے — تیر پلکوں کے، سناں غمزے کی، ابرو کی کماں

حضرتِ واعظ کے حربے ختم جب سب ہو چکے
اور چلتے چلتے عاری ہو گئی تیغِ زباں

تھک گئے تھے کان سنتے سنتے پندِ دلخراش
شاعرِ رنگیں طبیعت بھی ہوا یوں گلفشاں

جامے سے باہر نہ ہوں آقبلہ! گستاخی معاف
سن لیا میں نے جو سننا تھا نصیبِ دشمناں

آپ تو کچھ بھی نہیں سب کچھ میں ہی ناچیز ہوں
بیحیا و بے ادب ہرزہ سرا کذب البیان

اس تقدس پر تقریر مہذب کیوں نہ ہو
کیا لبِ شیریں نے زہر اگلے ہیں دیکر گالیاں

واسطہ خدام والا کو نہیں تہذیب سے
دے چکے گو درس اخلاق و ادب کا امتحاں

کیا کہوں فرقِ مبارک آہ اس قابل نہ تھا
جس سے دستارِ فضیلت کا اٹھے بارِ گراں

تھا جو سمجھانا مجھے اچھا برا سمجھا چکے
آپ کو سمجھائے کون اے ناصحِ نامہرباں

کیجئے قطع نظر من قال سے بے قیل و قال
منعطف فرمائیے ما قال کی جانب عناں

جیسے اوروں کے مرض کی آپ کرتے ہیں دوا
کیجئے اپنا علاج اے چارۂ بیچارگاں

کیجئے بالحکمۃ والموعظۃ پر بھی عمل
بے محل کیوں لفظِ شرک و کفر ہو وردِ زباں

جھوٹی خبریں مخبرِ صادق سے جو کرتی ہیں نقل
کہتے ہیں اورونکو کیوں جھوٹا وہ ہو کر بدگماں

آپ ختم الانبیا سے دل میں شرماتے نہیں
شاعروں پر ہو یہ تہمت کرتے ہیں گستاخیاں

آیتِ وادٍ یہیمون تو ہے ان کی شان میں
کرتے تھے کفار جو ہجو شہِ کون و مکاں

آپ اسے ان شاعروں کے حق میں فرمانے لگے
ہیں جو اس سلطانِ دیں پرور کے عاشق مدح خواں

ہو یہ ثابت اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات سے
دیکھتا ہو دل کو بندے کے خداوندِ جہاں

ہو گئیں جوشِ محبت میں اگر کچھ لغزشیں
دوست کیوں ہونگے سزاوارِ سزائے دشمناں

ایسے مدحیہ قصیدوں پر ہو ناحق اعتراض
جنکو شاعر خود سمجھتے ہیں سخن آرائیاں

ہے اگر ممدوح لائق خود سمجھ جاتا ہے یہ
کاش ان میں سے ہوں پیدا مجھ میں تھوڑی خوبیاں

مدح میں بھی ذم کا پہلو ہو بصیرت ہو اگر
آپ ایسے نکتۂ باریک سمجھیں گے کہاں

ہجو کے قابل جو ہیں وہ ہجو سمجھیں مدح کو
ہیں وہی ممدوح جو ہوں مدح کے شایانِ شاں

استعارے اور تشبیہوں سے ہوں جو نابلد ایسے ناداں خاک ہونگے شاعری کے قدرداں
کیجئے خُذْ مَا صَفَا دَعْ مَا کَدِر پر بھی عمل عیب سے ہو پاک صرف اک ذات ربّ انس و جاں
ہم اس غزل کو چھوڑ دیتے کہتے ہیں جسکو تبذل سنیئے دل سے تو سنائیں درد دل کی داستاں
پیجئے میخانۂ شیراز کے دو ایک جام حافظ و سعدی کے سنئے نغمہائے داستاں
مے ہو کیا میخانہ کیا ساقی ہو کیا پیمانہ کیا پیر و مرشد کیا بتاؤں کون ہو پیر مغاں
ساقی کوثر ہے ساقی اور میخانہ ہے خلد آپ ہیں بے کیف کیا جانیں یہ اسرار نہاں
ہم اگر ہیں بندۂ بُت بندۂ زر آپ ہیں مسجدیں ہیں آجکل مشہور واعظ کی دکاں

(فیصلہ)

سنکے یہ بحثیں دو طرفہ کہہ دیا انصاف نے دونوں آجائیں راہ پر آئے اگر حق درمیاں
تو نہ واعظ ہو نہ شاعر پڑ نہ جھگڑے میں شفیق پڑھ کے بس اک بیت خاموشی کو کر قفلِ دہاں
ہمچو مولانائے رومی مغز را برداشتم بے تکلف استخواں انداختم پیش سگاں

رباعی

ترا شکوہ مجھے نہ میرا تجھے
چاہئے یوں جو فی الحقیقت ہے
تجھ کو مسجد ہے مجھ کو میخانہ
واعظا اپنی اپنی قسمت ہے

آج کل کا زمانہ (جوش ملیح آبادی)

جگہ جگہ پر کھڑی ہے ٹٹی، قدم قدم پر بچھے ہیں پھندے دکان کھولی ہے معصیت کی گناہ کے ہو رہے ہیں چرچے
نگاہ ناپاک، روح میلی، زبان جھوٹی خیال گندے کچھ ایسا ہوا زمانہ، نہ وہ خدا ہے نہ وہ ہیں بندے
یہی ہے حالت تو دین و مذہب کو دور ہی سے سلام ہوگا
کہاں کے مسلم کہاں کے ہندو، رحیم ہوگا نہ رام ہوگا۔

نالۂ طنبور و چنگ، اے اہلِ غفلت تم سُنو گوش زد ہوتی ہے ہر دم یہ نصیحت ساز سے
ہے سزا اُس کی کہ روز و شب وہ پائے گوشمال رازِ دل بے پردہ جو کہدے بلند آواز سے

(لالہ کھیم نراین رند دہلوی)

ستم اُٹھائیں گے صدمے سہینگے سو سو بار جگر کے ٹکڑے ہوں، دِل پاش پاش ہو جائے
لگی ہے ضبط سے ہونٹوں پہ مہرِ خاموشی مجال ہے کہ ترا راز فاش ہو جائے

(شفق عماد پوری)

دل کی بیقراری ہے ہر تپش زمیں فرسا بہرِ خرمن گردوں شعلہ ہر فغاں اپنا
دیکھئے پسِ مردن حال جسم و جاں کیا ہو مدعی زمیں اپنی، دشمن آسماں اپنا

(مومن)

ظلم تھوڑے بھی ہیں بہت ہمکو دیکھ ظالم کہ ناتواں ہیں ہم
پیسنے سے ہمارے کیا حاصل اے فلک مشتِ استخواں ہیں ہم

(امیر مینائی)

یہاں بلبل اور گل پہ تو عبرت سے آنکھ کھول گلگشت سرسری نہیں اس گلستان کا
گل یادگار چہرۂ خوباں ہے بے خبر مرغِ چمن نشان ہے کسی خوش زبان کا

(میر تقی میر)

ندائیں آ رہی ہیں صاف گورستانِ ہستی سے کہ او سرمستِ دولت۔ او مئے غفلت کے متوالے
یہ دنیا منزلِ راحت نہیں ہے قعرِ دوزخ ہے اُٹھ او فانی۔ نکل دوزخ سے اور جنت کا رستہ لے

(ناظر کاکوروی)

دنیا دریا ہے۔ ہوس طوفاں ہے مانندِ حباب۔ ہستیٔ انساں ہے
لنگر ہے جو دل۔ تو ہر نفس بادِ مراد سینہ کشتی ہے۔ ناخدا ایماں ہے

(میر انیس)

مثمن روضۂ گلستانِ دلفروز گلفشانی مضامین فی انزو از مومن دہلوی

اے چارہ گر آ چک کہ وہم چارہ گری ہے — مَیں جان سے مرتا ہوں تجھے بےخبری ہے
کیوں پہلے ہی درمان سے یقیں بے اثری ہے — اپنی سی تو کر دیکھ عبث نسخہ وری ہے
ہو جاؤں میں جانبر تو تری نام وری ہے — یوں دعوئی بیہودہ تو بیہودہ سری ہے
گر ہم سے مریضوں کی دوا ہووے تو جانیں
بیمار محبت کو شفا ہووے تو جانیں

ہرچند کہ درماں ہی نہیں عشقِ بتاں کا — زخمِ دلِ مجروح پہ لگتا نہیں ٹانکا
مرنا قلق ہجر میں بچنا ہے یہاں کا — پر شکر ہوا سہل علاج اپنی تو جانکا
وہ حال نہیں ہے دلِ بیتاب و تواں کا — تھمتا نظر آتا ہے لہو زخمِ نہاں کا
تاثیر دوا اب تری کر جائے تو کر جائے
ہرچند کہ ناسور ہے بھر جائے تو بھر جائے

یعنی کہ دلِ اس دشمنِ جانی سے پھرا اب — گو تھا مرض الموت پہ ممکن ہے شفا اب
بیطاقتیِ جان نہیں آزاد فزا اب — سینے سے مرے ہاتھ جُدا ہو نہ لگا اب
وہ عشق کی خاطر ہے نہ وہ پاسِ وفا اب — وہ فتنہ کی اُلفت ہے نہ وہ شوقِ بلا اب
کچھ کام نہیں پیچ و خمِ زلفِ دوتا سے
کھایا کرے بل سیکڑوں اب میری بلا سے

ایک عمر تلک زیست سے بیزار رہا میں — ترشیِ غم و وقفِ صدا آزار رہا میں
معشوق کے پرہیز سے بیزار رہا میں — بجرمِ جفاؤں کا سزاوار رہا میں
کیا کیا نہ مصیبت میں گرفتار رہا میں — افسردہ دل گرمیِ اغیار رہا میں
آخر تپش اس آتشِ خاموش میں آئی

جاں گرمیِ غیرت سے غضب جوش میں آئی

کل گھر میں وہ بیٹھے تھے نہ آسیمہ و حیراں　　اس حال کے دیکھے سے ہوا حال پریشاں
غصّہ کے سبب چھپ نہ سکی رنجش پنہاں　　سمجھا میں کہ یوں بھی تو ہو مایوسی و حرماں
انصاف کرو صبر کرے کب تلک انساں　　ناچار کہا طعن سے میں نے کہ مری جان
کس سوچ میں بیٹھے ہو ذرا سر تو اُٹھاؤ
گو دِل نہیں مِلتا ہو پر آنکھیں تو ملاؤ

دیکھو تو اُدھر کو، کہ کبھی یار تھے ہم بھی　　غیروں کی طرح محرم اسرار تھے ہم بھی
سرمست مے حسرت دیدار تھے ہم بھی　　آئینہ نمط پشت بدیوار تھے ہم بھی
منظور نظر صورت اغیار تھے ہم بھی　　اس چشم عنایت کے سزاوار تھے ہم بھی
یوں شربت دیدار سم آمیز نہیں تھا
کچھ نرگس بیمار کو پرہیز نہیں تھا

کہئے تو یہ کیا بات ہے قربان تمہارے　　کچھ طور نظر آتے ہیں بدلے ہوئے سارے
ہے ناز نہ انداز و ادا ہیں نہ اشارے　　اب کس لئے رہتے نہیں تم گھر میں ہمارے
آئے کبھی برسوں میں تو آتے ہی سدھارے　　بیٹھے بھی اگر پاس تو چُپ شرم کے مارے
پھر کس لئے گھونگٹ رُخ روشن پہ لیا ہے
پھر کیوں نئے سر سے وہی پہلی سی حیا ہے

وہ ہی تو ہوں میں ہمدم و دمساز تمہارا　　تہ نظر چشم نظر باز تمہارا
جس کے ہوا صرف سب انداز تمہارا　　اِک تلک جس پہ رہا ناز تمہارا
وہ محرم ہر غمزہ و غمّاز تمہارا　　پوشیدہ نہ تھا جس سے کوئی راز تمہارا
حسن آئینہ دیدۂ دیدار طلب تھا
سرحلقۂ عشاق وفادار لقب تھا

وہ مہر وہ اُلفت وہ محبت ہی نہیں ہے — یا طبع میں الطاف تھے یا برسرِ کیں ہے
بیہودہ سدا ابروئے خمدار میں چیں ہے — بے وجہ شب و روز شکن زیبِ جبیں ہے
آتے ہی یہاں بس چلے جانے کی کمی ہے — اب ہوش کہاں آپ کہیں دھیان کہیں ہو
فرق آپڑا ہے طرزِ ملاقات میں کیسا — غصہ ہی چلا آتا ہو ہر بات میں کیسا
وہ پیچ و خمِ طرۂ طرار کہاں ہے — وہ کشمکش کاکلِ خمدار کہاں ہے
وہ تازگیٔ نرگسِ بیمار کہاں ہے — وہ تازگی و رونقِ رخسار کہاں ہے
وہ بوئے تنِ رشکِ سمن زار کہاں ہو — وہ رنگِ رُخِ غیرتِ گلنار کہاں ہو
گلگونہ سے چہرے پہ کدورت ہی نہیں اب — بدلے گئے کچھ تم تو وہ صورت ہی نہیں اب
ہے طبع میں ہر روز فزوں رنج فزائی — اپنے میں سماتے نہیں کیا وہمیں سمائی
یہ تندئ خو تو نہیں کچھ گرم ادائی — اس شعلہ مزاجی نے مری جان جلائی
ہر ایک سے ہر بات پہ ہوتی ہے لڑائی — کیوں خصلتِ مذموم پسند آپ کو آئی
کس واسطے بے وجہ غضبناک ہوئے ہو — کچھ شرم میں نہ عیب کے بیباک ہوئے ہو
تم گھر میں جہاں آئے کہ گویا غضب آیا — کوئی ہو جہاں سامنے آیا غضب آیا
کچھ خیر تو ہے ایسا کہاں کا غضب آیا — پھر لڑ کے چلے جاتے ہو یہ کیا غضب آیا
سمجھو تو ذرا بات کہ بیجا غضب آیا — گھر والے کہاں جائیں یہ کیسا غضب آیا
بے وجہ عداوت کا سزاوار نہیں ہوں — اور وہ نہ ہو کیوں ظلم گنہگار نہیں ہوں
ہر اک سے بگڑ کر مرے دم پر نہ بناؤ — دن رات جہاں رہتے ہو اب بھی وہیں جاؤ
کیوں ہاتھ سے جاتے ہو تم اتنا بھی نہ آؤ — جو تم کو ستایا کریں ۔ تم ان کو ستاؤ
دل سرد ہوا تم سے ۔ مزاجی نہ جلاؤ — اس گرمئ اُلفت کو بس اب آگ لگاؤ
کب تک جلے کوئی آتشِ خاک میں مل جائے — ٹھنڈا ہو کلیجہ جو کہیں سوزشِ دل جائے
افسوس مرے غم نے نہ کی تجھ میں سرایت — بیفائدہ سے آئے نظر حرف و حکایت

آئی دہی درپیش جو تھی عشق کی غایت　　بیجا ہیں لگے سب مرے بیہودہ شکایت
بھولے سے جو ملجاتے ہو یہ بھی ہے عنایت　　یعنی ہوں سبب پوچھ کے شرمندہ عنایت
ہے رنج بجا بات یہ بھائی مرے جی کو　　سچ کہتے ہو دل میں نے دیا اور کسی کو
میں ہی تو رہا ہوں کہیں شکوہ خوش و خرم　　میں نے ہی تو کی بادہ کشی غیر سے باہم
میری ہی نظر سے ہے عیاں نیند کا عالم　　آتی ہے جماہی یہ جماہی مجھے ہر دم
لنگڑائیاں لیتا ہوں یہ اب میں ہی تو پیہم　　میری ہی تو گردن میں پڑا جائے ہے کچھ خم
میری ہی تو آنکھوں میں غضب نیند بھری ہے　　میری ہی جبیں ہے کہ جو گھٹنے پہ دھری ہے
میں ہی تو کہیں رات کو بیدار رہا ہوں　　میں ہی تو ہم آغوش طلبگار رہا ہوں
میں ہی تو مئے وصل سے سرشار رہا ہوں　　میں ہی تو کف غیر سے میخوار رہا ہوں
ملک ہوس تازہ خریدار رہا ہوں　　لذت دہ اوباش ہوس کار رہا ہوں
پتلیاں میری ہی تو آنکھوں سے عیاں ہیں　　میرے ہی تو ہونٹوں پہ یہ دانتوں کے نشاں ہیں
کوئی نہ کہے یہ کہ سکھایا ہے کسی نے　　تجھ کو مری جانب سے لگایا ہے کسی نے
بے جرم یہ طوفان اُٹھایا ہے کسی نے　　ایسا مجھے دیوانہ بنایا ہے کسی نے
یہ جھوٹ نہیں سچ ہی جتایا ہے کسی نے　　کیا کیا نہیں آنکھوں سے دکھایا ہے کسی نے
یوں مان نے ایسا کوئی نادان نہیں ہے　　تم غیر سے ملتے ہو یہ طوفان نہیں ہے
کیوں لوگ لگے آپ پہ بہتان لگانے　　یہ بات تم اس سے کہو جو بات کو مانے
میں نے تمہیں جانا کوئی جانے کہ نہ جانے　　سب عذر ہیں بے فائدہ بیہودہ بہانے
کچھ خیر ہے مجھ سے بھی لگے باتیں بنانے　　معلوم ہیں سارے مجھے جتنے ہیں ٹھکانے
گر کہیے تو ایک ایک کا میں نام بتا دوں　　جو پردہ ناموس ہے صد چاک اُٹھا دوں
کیا قہر ہے کیوں کر نہ اُٹھے درد جگر میں　　میری تو بغل خالی اور آپ اور کے بر میں
اِک آن بھی مجھ سے نہ ملو آٹھ پہر میں　　گھر چھوڑ کے اپنا رہو یوں اور کے گھر میں

سُنتا ہوں شب و روز تمھیں بزم دگر میں — کیوں کر نہ ہو تار یک جہاں میری نظر میں
ہر رو ز نہ تو اے مہر درخشاں ہی کہیں اور — ہر روز نہ تو اے شمع شبستاں ہی کہیں اور

ہے وقت اگر دل میں سمجھ جاؤ تو بہتر — اندیشۂ انجام سے پچھتاؤ تو بہتر
بیبا کی بے صرفہ سے شرماؤ تو بہتر — جو دل میں ٹھہر تی نہیں ٹھہراؤ تو بہتر
اغیار سے ملنے کی قسم کھاؤ تو بہتر — اب بھی جو ان اطوار سے باز آؤ تو بہتر
پھر ورنہ مری طرح سے پچھتاؤ گے دیکھو — اپنے کیئے کی تم بھی سزا پاؤ گے دیکھو

کچھ تم ہی تو دلبر نہیں اے یار جہاں میں — تم سے بھی زیادہ ہیں طرحدار جہاں میں
باقی ہیں ابھی دل کے طلبگار جہاں میں — اس جنس کی ہے گرمیِ بازار جہاں میں
نکلیں گے بہت آپ کے اغیار جہاں میں — میرے بھی ہزاروں ہیں خریدار جہاں میں

معشوق مجھے گر تمھیں عشاق بہت ہیں
یہ یاد رہے میرے بھی مشتاق بہت ہیں

اَب عقل آئی

جرأت

رُو ٹھنا اُسکا وہ میرا آمنانا اب کہاں — رو کے کہتا ہوں یہی جب سے فراقِ یار ہے
ہائے وہ لڑنا ہی اُسکا تھا غنیمت وصل میں — صلح کو روتے تھے کیا اب جنگ بھی دشوار ہے

عزاز ہنگی

ہمنشیں کیا کہوں تجھ سے یہ بتان مہوشں — ستم و جور کا انداز نیار کھتے ہیں
کر کے کاہیدہ غمِ عشق سے مانندِ ہلال — اپنے عاشق کو یہ انگشت نمار کھتے ہیں

مومنؔ

مصروفِ روائے کار تھے ہر جا ہم — کام آئے ہر ایک شخص کے کیا کیا ہم
پر جس کے ہوئے نجانا اُس نے اپنا — دنیا میں مکانِ وقف تھے گو یا ہم

ثاقب رامپوری

تم کھلے بندوں چلے آئے مری محفل میں رات　　　میں بھی کھل کھیلا تھا۔ بس کچھ ہاتھا پائی ہوگئی
میں ہی کچھ ملزم نہیں تقصیریاں دونو نکی ہے　　　بیوقوفی تم سے مجھ سے ہاتھا پائی ہوگئی

مصحفی

غنچۂ گُل کی چولی مسکی دیکھ　　　عقل بھولی ہے عندلیبوں کی
ہائے دیکھی نہیں اُنھوں نے مگر　　　وضع دلّی کے جامہ زیبوں کی

مومن

خاطر نہیں تم کو گر ہماری نہ سہی　　　گر اب نہیں وہ جو دوستی تھی نہ سہی
ملنا نہیں تو پیام بھی ہو موقوف　　　جب وہ نہ رہا تو خیر یہ بھی نہ سہی

نامعلوم

منہ دیکھے کی گر ہو تو محبت کیسی　　　ہر شوخ پہ آئے تو طبیعت کیسی
خون ٹپکے نہ آنکھوں سے تو رونا کیسا　　　ہر روز نکل جائے تو حسرت کیسی

میر انشاء اللہ دہلوی

کیوں مرے چاک گریباں سے بھلا اُلجھا تھا　　　اب تو بخشا تجھے پھر آگے یہ زنہار نہ ہو
کھولے دیتا ہوں ترے کان ابھی سے اے گُل　　　ایسی تقصیر کبھی پھر یہ خبردار نہ ہو

رضا چاندپوری

آگیا دن تھے کہ ہم ساتھ ترے اے گُلرو　　　دو قدم صحنِ خیاباں میں چلے بیٹھ گئے
اب یہ حالت ہے کہ چپکے ترے کوچہ میں　　　ہیں گنہگار جو دیوار تلے بیٹھ گئے

نامعلوم

روتے روتے جو مری چشم ہوئی نابینا　　　ہنس کے فرمانے لگے اب تجھے کیا سوجھے ہے
عرض کی میں نے کہ مضمونِ خطِ سبز ترا　　　کہا ساون کے تو اندھے کو ہرا سوجھے ہے

خواب و خیال

(محمد دلاور شاہ فصیح دہلوی)

بہار زندگی اِک خوابِ غفلت کا زمانہ ہے　　خیالی پیچھے ہیں اور نہ ہوائے آشیانہ ہے
صدائے کوسِ رحلت نغمہ سنجوں کا ترانہ ہے　　جسے کہتے ہیں دنیا۔ وہ کہانی ہے فسانہ ہے
جو لائیں کام میں چشمِ بصیرت دیکھنے والے
بنیں محوِ تماشا اُس کی قدرت دیکھنے والے

یہاں سے جو گیا ساتھ اُس نے چھوڑا یارِ ہمدم کا　　ہوا ساتھی نہ وہ رنج و الم کا شادی و غم کا
کسی کا کیا بھروسہ جب بھروسہ کچھ نہیں دم کا　　کوئی کیا بھید سمجھے گا تماشا گاہِ عالم کا
خدا کے کام میں کیا دخل ہے اُف کر نہیں سکتے
مرے جاتے ہیں یادِ رفتگاں میں مر نہیں سکتے

مٹے وہ تاجدار نامی تھے جو کشور ستانی میں　　گئے وہ پہلوان بے مثل تھے جو پہلوانی میں
سدھارے وہ حسیں شہرے تھے جن کے دلستانی میں　　نہ چھوڑا موت نے باقی کسی کو دارِ فانی میں
یہاں دعویٰ کسی کا اور پیری چل نہیں سکتی
گھڑی وعدے کی جب دم آن پہنچی ٹل نہیں سکتی

کوئی ہو ذرۂ ناچیز یا ماہِ منوّر ہو　　کوئی محتاج ہو یا بادشاہِ ہفت کشور ہو
کوئی بے بہرہ ہو بیدار ہو یا بندہ پرور ہو　　نہیں ممکن کہ جز گور و کفن کچھ بھی میسّر ہو
نہ نکلیں گے نکالے سے کسی کے حوصلے دل کے
ملیں گے خاک میں ارمان سب خاک میں مل کے

نہیں آتا تھا جنکو چین ہرگز چینِ بستر پہ　　جنہیں سایہ بھی اک بار اور وبال جان تھا سر پر
رخ و عارض کو جنکے فوق حاصل تھا گل تر پہ　　نہ رکھا گردشِ دوراں نے انکو ایک محور پر
ہوا جب خاتمہ تھا خاتمہ نازو نزاکت کا　　نتیجہ مل گیا مٹی میں ملکے عیش و عشرت کا

نہ چھو سکتی تھی گرد راہ بھی جن کو ہوا ہو کر　　مٹے ہیں خاک میں وہ کشتۂ تیغ قضا ہو کر
عزیزوں سے الگ احباب سے نا آشنا ہو کر　　پڑے ہیں کنج تنہائی میں اب سب سے جدا ہو کر
پیا ہے جام رحلت بادۂ انگور کے بدلے
ہم آغوش لحد ہیں ہائے رشک حور کے بدلے

جہاں سے جا رہا ہے کوئی سب مجبور بیٹھے ہیں　　عزیز و اقربا کچھ پاس ہیں کچھ دور بیٹھے ہیں
کچھ ایسی لگ رہی ہے دلکو جو رنجور بیٹھے ہیں　　کسی کی چل نہیں سکتی ہے سب مجبور بیٹھے ہیں
نہاں نظروں سے پیاری پیاری صورت ہونے والی ہے
گھڑی ساعت میں برپا اک قیامت ہونیوالی ہے

بٹھاتے تھے جو پہلو میں وہ آپہنچے اُٹھانے کو　　کہانی کہنے والے جمع ہیں یٰسین سنانے کو
کھڑے ہیں چاہنے والے ہی مٹی میں ملانے کو　　ہوئے ہیں مستعد ناپید کرنے کو مٹانے کو
بدل جاتی ہے جب قسمت تو سب آنکھیں بدلتے ہیں
جو ارماں دل میں ہیں وہ گور میں جا کے نکلتے ہیں

اُٹھاتے تھے جو ناز آئے وہی تجہیز بھی کرنے　　کیا اولاد کو خود دفن جا کے باپ مضطر نے
ملایا خاک میں آخر برادر کو برادر نے　　دبایا بہن کو بھائی نے اور بیوی کو شوہر نے
چلے آتے ہیں تنہا ڈال کر دلبر سے دلبر کو
زن و فرزند کو ماں باپ کو خویش و برادر کو

وہ بھائی جو بچھڑتے تھے گھڑی بھر کو نہ بھائی سے　　وہ ہمدم دم چھڑکتے تھے جو ہر دم باوفائی سے
وہ دلدادہ جو مرتے تھے کسی کی دلربائی سے　　پرے بیٹھے ہیں بعد مرگ ہٹ کر چارپائی سے
مریں بھی ساتھ مرنے کے تو باہم رہ نہیں سکتے
کچھ اُن کی سن نہیں سکتے کچھ اپنی کہہ نہیں سکتے

چھپے ہیں خاک میں وہ لعل جو نازوں کے پالے تھے　　پڑے ہیں گور میں جو گودیوں کے رہنے والے تھے

بسے ہیں جا کے یوں سنسان میں جو بھولے بھالے تھے　　اندھیرے میں ہیں وہ خود جو کسی گھر کے اُجالے تھے

نہ ہیں وہ چاہنے والے نہ وہ آغوش مادر ہے
نیا دانہ نیا پانی نئی بستی نیا گھر ہے

فنا جسکو نہ ہو دنیا وہ مسکن ہو نہیں سکتا　　خزاں جسکو نہ ہو ایسا یہ گلشن ہو نہیں سکتا
کوئی پیدا دوبارہ بعد مردن ہو نہیں سکتا　　چراغ عمر ٹھنڈا ہو کے روشن ہو نہیں سکتا

فنا ہے سب کو دنیا میں رہے گا اور کیا باقی
جو باقی ہے وہ باقی ہے نہیں اُس کے سوا باقی

قاصد کی روانگی (سفیر بلگرامی)

بڑے شوق سے بھیجتا ہوں میں قاصد　　رہے گی نظر راہ پر دیکھ لینا
نہ تو خیر سے پھر کے آئے گا جب تک　　نہ ٹھہرے گا دل نہ جگر دیکھ لینا
پتہ کوئے قاتل کا بتلاؤں تجھ کو　　جو کہتا ہوں سب ڈھونڈ کر دیکھ لینا
کوئی ہوگا دھونی رمائے وہاں پر　　کسی کو کھڑے ننگے سر دیکھ لینا
کوئی چاک دامن کئے ہوگا اپنا　　کہیں پر کھڑے بخیہ گر دیکھ لینا
کوئی شام غم میں گرفتار کلفت　　کسی لب پر آہِ سحر دیکھ لینا
ہلا دیں گے دل نیر نالے کسی کے　　کسی کی فغاں بے اثر دیکھ لینا
کہیں ہڈیاں طائر نامہ بر کی　　کسی جا کبوتر کے پر دیکھ لینا
یہ ساماں گلی میں وہ کوٹھے پہ ہونگے　　پھری سب سے اُنکی نظر دیکھ لینا
لکھا ایک حسرت بھری عین در پر　　لکھی نظم یہ لوح پر دیکھ لینا

تجھے اپنی آنکھوں کی سوگند قاتل
مری قبر پر وزاک نظر دیکھ لینا

رباعیات

میر انیس

یہ چرخ جو سے کے جابجا پھرتی ہے پھرتے ہیں جدھر ساتھ قضا پھرتی ہے
فریاد کناں برائے ہر دانۂ رزق یوں پھرتے ہیں جیسے آسیا پھرتی ہے

"

جو شے ہے فنا اُسے بقا سمجھا ہے جو چیز ہے کم۔ اُسے سوا سمجھا ہے
ہے بحرِ جہاں میں عمر مانندِ حباب غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے

"

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے اس باغ سے کیا کیا گلِ رعنا نہ گئے
تھا کونسا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

"

خاموشی میں یاں لذتِ گویائی ہے آنکھیں جو ہیں بند۔ عین بینائی ہے
نے دوست کا جھگڑا ہے نہ دشمن کا فساد مرقد بھی عجب گوشۂ تنہائی ہے

"

آغوشِ لحد میں جب کہ سونا ہو گا جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہو گا
تنہائی میں آہ کون ہووے گا انیسؔ ہم ہوں گے اور قبر کا کونا ہو گا

"

جب دارِ فنا سے جان کھونا ہو گا میت پہ عجب طرح کا رونا ہو گا
عادت نہیں منہ ڈھانپ کے سونے کی انیسؔ کیا گذرے گی جب قبر کا کونا ہو گا

"

گر لاکھ برس جیئے تو پھر مرنا ہے پیمانۂ عمر ایک دن بھرنا ہے
ہاں توشۂ آخرت مہیا کر لے غافل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

فغانِ مسلم

جناب محمد عبدالحکیم خاں صاحب نشتر جالندھری

اُٹھ شہنشاہِ زمن! تیرا ثنا خواں آیا — تیری سرکار میں اک داد کا خواہاں آیا
نیم جاں آہ بلب سوختہ ساماں آیا — ہند سے سوئے عرب ایک مسلماں آیا

شہسوارِ مدنی قوم کی حالت سن لے
مبتلا جس میں ہے اُمت وہ مصیبت سن لے

اے فلک ٹوٹ نہ پڑ دیکھ سنبھل جا تھم جا — اے زمیں پھٹ نہ ابھی ہونے دے محشر برپا
غمِ قوم کا سُن قصہ جو ہے درد بھرا — چارہ گر جس کا مسیحا بھی نہیں ہو سکتا

ہائے کس منہ سے کہوں مجھ کو حیا آتی ہے
شرم بھی قوم کے افعال سے شرماتی ہے

جو بنے قوم کے رہبر وہی عیار ہوئے — بوریا زہد کا تھا دام ریا کار ہوئے
دانہ و دام میں نادان گرفتار ہوئے — جھوٹے غمخوار تھے بدنام ہوئے خوار ہوئے

خاک تاثیر ہو مُلّاؤں کے سمجھانے میں
دن کو مسجد میں تو ہیں رات کو میخانے میں

نہ رہے شاہسوار اور وہ تازی نہ رہے — تھے جو مردانِ غزا آج وہ غازی نہ رہے
خود مساجد ہوئیں ساجد وہ نمازی نہ رہے — اب وہ حجاج بھی سیرِ حجازی نہ رہے

ولولے نام کو اور جوش ذرا بھی نہ رہا
قافلہ دور گیا شورِ درا بھی نہ رہا

وہ ارادے نہ رہے ہائے وہ اب دل نہ رہا — باغ ویراں ہوا۔ شورِ عنادل نہ رہا
جس کی تو سب کو تھی وہ رونقِ محفل نہ رہا — کارواں جائے کدھر رہبرِ منزل نہ رہا

اے براقِ نبوی۔ قوّتِ پرواز دکھا
کبک و طاؤس کو طنازیٔ رفتار سکھا

وہ بھی کیا وقت تھا جب خسرو دوراں ہم تھے — اِنس و جاں تابع فرماں تھے سلیماں ہم تھے
جن پہ اِسلام تھا نازاں وہ مسلماں ہم تھے — سجدہ کرتے تھے ملک جن کو وہ انساں ہم تھے

ہفت اقلیم میں تھا سکّہ ہمارا جاری
مثل خوں رعب تھا ہر رگ میں ہمارا ساری

رایتِ اسلام کا اسپین میں گاڑا ہم نے — دشتِ قبچاق میں اعدا کو پچھاڑا ہم نے
جنگ سے پارۂ ثبات اُنکا اکھاڑا ہم نے — ہر جگہ جیت لیا جا کے اکھاڑا ہم نے

پیرس اپنا تھا۔ انطنیئہ اپنا تھا۔ روما اپنا
اوقیانوس کے ساحل پہ تھا قبضہ اپنا

ہر کہ و مہ کی زباں پر تھا فسانہ اپنا — عسقلان اور فلسطین تھا نشانہ اپنا
تھا جو بیگانہ بنا۔ تھا وہ یگانہ اپنا — شورِ تکبیر تھا میداں میں ترانہ اپنا

آج تک گونج رہی ہے وہ صدا کانوں میں
مستِ پندار اُچھل پڑتے ہیں میخانوں میں

اب وہی ہم ہیں کہ مجبور ہیں نادار بھی ہیں — شرع سے دُور ہیں قرآن سے بیزار بھی ہیں
سب سے جھوٹے بھی ریاکار بھی مکّار بھی ہیں — بدعمل بھی ہیں۔ ریاخوار بھی ہیں میخوار بھی ہیں

ہیں سیہ کار معابد میں الٰہی توبہ
زشت کردار مساجد میں الٰہی توبہ

کل ہمارے جو قدم چومتے تھے زن ہو کر — کستے ہیں ہم پر اب آوازے ثنا زن ہو کر
پیش آئے تھے جو کل مورسہ تن ہو کر — مار بن کر کبھی ڈس لیں کبھی ناگن ہو کر

ننگِ اسلام ہیں ہم دُشمنِ اسلام ہیں ہم — ہے یہی وجہ کہ اب موردِ آلام ہیں اب ہم

اب وہ خمخانۂ توحید کے مینوش کہاں
خدمتِ قوم میں اسلاف کے ہمدوش کہاں
پاس ناموس کہاں جذبہ کہاں جوش کہاں
مئے غفلت میں ہیں ڈوبے ہوئے اب ہوش کہاں

اہلِ اسلام کے دِل خوگرِ الحاد ہوئے
اور پابندیٔ اسلام سے آزاد ہوئے

کیوں ہوئے جاتے ہو تم خوگرِ آرام بہت
دین و دُنیا کے تمہارے لئے ہیں کام بہت
کلمہ پڑھ پڑھ کے بتوں سے ہوئے تم رام بہت
کر چکے دہر میں اسلام کو بدنام بہت

سوتے ہیں پاؤں شبِ قدر میں کیا پھیلا کر
رمضاں بھر جو بسر کرتے ہیں روزے کھا کر

راہِ حق میں جو فدا ہو وہ جگر پیدا کر
جس میں اسلام کا سودا ہو وہ سر پیدا کر
عرش ہل جائے دُعا میں وہ اثر پیدا کر
آگ گردوں میں لگا دے وہ شرر پیدا کر

ہمہ تن خیر بھی دُنیا میں بشر ہوتے ہیں
وقتِ بد میں وہی ہر اک کی سپر ہوتے ہیں

راحت و عیش کے خرمن کو جلاؤ اُٹھو
عمر ہے ریگِ رواں نقش جماؤ اُٹھو
سکہ توحید کا ہر دل پر بٹھاؤ اُٹھو
وقتِ دولت ہو نہ یوں مفت گنواؤ اُٹھو

نفس پر کھینچ کے تلوار مجاہد بن جاؤ
نگہِ صیدِ خم فتراکِ معاند بن جاؤ

اُٹھ کے اب پیرویٔ سیدِ لولاک کرو
طعمۂ آتشِ سوزاں خس و خاشاک کرو
خس و خاشاک سے وحدت کا چمن پاک کرو
پاک کرنے کا محل بھی ہے یہ ادراک کرو

نصرتِ قوم میں ہاتھوں کو زر افشاں کردو
حُسنِ توحید کو خورشیدِ درخشاں کردو

جانتا بھی ہے کہ کون اے فلکِ پیر ہیں ہم
جوشِ اسلام کی مٹتی ہوئی تصویر ہیں ہم

ٹکڑے کرڈالے جو کاذب کا وہ شمشیر ہیں ہم سینۂ ظلم جو چھلنی کرے وہ تیر ہیں ہم
مذہبی بحث میں منہ اب کوئی کھولے تو سہی
سامنے آئے ہمارے کوئی بولے تو سہی

مسلموں میں نہ اخوت ہو نہ یکتائی ہے ان کی تفریق کی ہر قوم تماشائی ہے
گلشن لطف و مؤدت میں خزاں آئی ہے پھوٹ کی پھوٹ کی ہر سمت گھٹا چھائی ہے
چمک اے چاند اندھیرے سے اُجالا کر دے
آکے منہ اس شبِ دیجور کا کالا کر دے

اُٹھ گئی دل سے مسلمانوں کے اُلفت تیری مٹ گئی صفحۂ عالم سے شریعت تیری
چھپ گئی پردۂ باطل میں حقیقت تیری غرق تا فرقِ معاصی میں ہو اُمت تیری
الغیاث اے رہِ دیں ہم کو بتانے والے
المدد! نوح کی کشتی کو بچانے والے

جوشِ اسلام پھر ایک بار رگوں میں بھر دے جھلملاتی ہوئی اس شمع کو روشن کر دے
بغض و تفریق کے آنکھوں سے اٹھا دے پردے اوجِ اقبال پر اُڑنے کے لئے شہپر دے
مرتے مرتے بھی ہم اسلام کی تائید کریں
جہاں ہو جائے جو قربان تو ہم عید کریں

بے نمازی مسٹر

اکبر الہ آبادی۔ (مرحوم)

عقد سے کیا ہیں وہ خوش کہتی ہو بیوی اُن کی بے نماز آئے تو کب ہاتھ لگانے دونگی
مَیں مسلمان کی لڑکی ہوں مسلمان ہوں خود سامنے بھی انہیں واللہ نہ آنے دونگی
ساس کہتی ہیں کہ پڑھوا دُوں گی سمجھا کے نماز ایسے مسٹر کو بھلا ہاتھ سے جانے دونگی

خیالاتِ زرّیں

(از جناب جوش ملیح آبادی)

تو رازِ فراغت کیا جانے محدود تری آگاہی ہو　　اپنے کو پریشاں حال سمجھنا عقل کی یہ کوتاہی ہو
دولت کیا؟ اک روگ ہو دل کا مرض نہیں گمراہی ہے　　دنیا سے بے پروا رہنا سب سے بڑی یہ شاہی ہے

اِس قول کو میرے مانے گا جو صاحب دل و دانا ہو
کہتے ہیں جسے شاہنشاہی حاجت کا روا ہو جانا ہو

پینے کو میسّر پانی ہو کھانے کیلئے حاضر ہو غذا　　تفریح کو سبزہ جنگل کا صحت کی محافظ صاف ہوا
پوشش کیلئے ملبوس بھی ہو رہنے کو مکاں بھی ستھرا سا　　اور اس کے سوا کیا حاجت ہو انصاف تو کر دلمیں ذرا

راحت کیلئے جو ساماں ہیں قدرت نے بہم پہنچائے ہیں
اے بندۂ زر پھر تیری ہوس نے پاؤں یہ کیوں پھیلائے ہیں

دولت کا نتیجہ کلفت ہو سامانِ امارت ذلت ہے　　جس دلمیں ہوس کی کثرت ہو دور اس سے حقیقی راحت ہے
ارمان بہت ہیں کم کر دے مستی یہ نہیں اک غفلت ہے　　آغاز سراپا دھوکا ہو۔ انجام سراسر عبرت ہے

تاریخ اٹھا بتلائے گی وہ۔ دنیا میں خوشی کا نام نہیں
جس دل پہ ہوس کا سکہ ہو اس دل کے لیے آرام نہیں

صحت میں تری کچھ حرج نہیں اعضا میں ترے نقصان نہیں　　پھر بھی یہ شکایت تجھکو ہو اسباب نہیں سامان نہیں
انعامِ خدا کا منکر ہو۔ اللہ پہ اطمینان نہیں　　تو حرص و ہوس کا بندہ ہو مضبوط ترا ایمان نہیں

دنیا کی حکومت تیری ہو اپنے کو گدا کیوں کہتا ہو
سامانِ فراغت حاضر ہیں بیکار پریشاں رہتا ہو

یہ ابر یہ وادی یہ گلشن یہ کوہ و بیاباں یہ صحرا　　یہ پھول یہ کلیاں یہ سبزہ یہ موسمِ گل یہ سرد ہوا
یہ شام کی دلکش تفریحیں یہ رات کا گہرا سناٹا　　یہ پچھلے پہر کی رنگینی یہ نورِ سحر یہ موجِ صبا

معبود کی کس کس بخشش کو منکر بیجا جھٹلائے جائیگا

اللہ کی کس کس نعمت کو اے منکر دیں جھٹلائیگا

اللہ کی رحمت عام ہے سب پر شاہ ہوں ہمیں یا ہوں گدا ۔ یہ چاند یہ سورج یہ تارے یہ نغمۂ بلبل یہ دریا
دونوں کیلئے یہ تحفے ہیں کچھ فرق اگر ہے تو اتنا ۔ اِن جلووں سے عزت پاتا ہے آزاد کا دل منعم سے سوا
شاہوں کے سروں میں تاجِ گراں سا درد سا اکثر رہتا ہے
جو اہلِ صفا ہیں اُن کے دِلمیں نور کا چشمہ بہتا ہے

آگاہ ہے جو تو جانتا ہے دُنیا میں نہیں رہنا ہوگا ۔ اسبابِ طرب کا جویا تو سامان یہاں ہے رونے کا
دولت کا صلہ کیا سمجھا ہے اخلاق کی قوت کھوئیگا ۔ ایمان کے دل کا داغ ہے یہ سکہ یہ نہیں ہے سونے کا
کیا کرتا ہے ناداں یہ بھاگ ادھر سے نار ہے ان دنیا زر نہیں
یوں ہاتھ نہ ڈال ان دوزخ کی لو دیتے ہوئے انگاروں میں

اسبابِ تمول زنجیریں ایوانِ حکومت زنداں ہے ۔ دلچسپ جسے تو سمجھا ہے وحشت کا وہ ساز و ساماں ہے
سکوں کی چمک پر مرتا ہے دولت کیلئے سرگرداں ہے ۔ تو رازِ فنا معلوم تو کر دنیا کیلئے کیوں حیراں ہے
اُس شئے سے تعلق ہے کیسا جو چیز کہ جانے والی ہے
سامانِ تعیش جمع کئے جا موت بھی آنے والی ہے

آراستہ ہو کر جلووں سے جب سامنے دُنیا آتی ہے ۔ راحت کے ترانے گاتی ہے دولت کی چمک دکھلاتی ہے
جب آنکھ پہ قبضہ کرتی ہے سینہ میں ہوس بھڑکاتی ہے ۔ ایمان و یقیں کی شمع درخشاں نیکے دھواں اُٹھ جاتی ہے
ہلتا ہی نہیں ہے جسم سے پھر جب عضو کوئی کٹ جاتا ہے
بس یونہی ہوس کے بندے کا معبود دل سے ہٹ جاتا ہے

شاہوں کی امارت جسمانی ۔ قانع کی حکومت روحانی ۔ ظاہر کی مسرت سلطاں کو آزاد کو لذت وجدانی
دُنیا کے تماشے عبرت زا ۔ عقبیٰ کے مناظر لاثانی ۔ مرنے میں حقیقی آزادی جینے میں سراسر حیرانی
بندے جو ذرا بھی عقل ہو تجھ میں نام جہاں میں کر جانا
اللہ اگر توفیق تجھے دے موت سے پہلے مر جانا

آرام کی خواہش مہمل ہو۔ یہ قبر نہیں ہو دنیا ہے
یہ زیست نہیں کُلفت ہو۔ یہ سانس نہیں ہو ایذا ہے
آگاہ ہو اے ناداں کدھر تو پیاس بجھانے جاتا ہو
ذرّوں کی چمک کا یہ چشمہ یہ ریگ رواں کا دریا ہو
سُن جوش کی باتیں غور سے تو مشتاق نہ بن اس اژدل کا
اے دوست! یہ دُنیا سایہ ہو گرمی کے پریشاں بادل کا

رُباعیات

ہیں جو اچھے وہ خود سمجھتے ہیں
نیک و بد کو بُرے کو بہتر کو
ہو مگر کس طرح بُروں پہ اثر
نہیں لگتی ہے جونک پتھر کو

(نامعلوم)

آنکھوں سے خمارِ ذوقِ مستی اُترا
خاطر سے غبارِ اوج و پستی اُترا
پہنا جو کفن تو سرگرانی نہ رہی
ہلکے ہوئے ہم کو رختِ ہستی اُترا

(شاکر میرٹھی)

خسرو کے سر پہ وہ نہ رہا تاج خسروی
نَے رہ گیا وہ چتر فلک سا ہے جم کیساتھ
کیسی اب اُنکی دھوپ میں جلتی ہیں تربتیں
سایہ میں یاں پلے تھے جو ناز و نعم کے ساتھ

(مصحفی)

کیا کیا دُنیا سے صاحب مال گئے
دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہونچا کے لحد تک پھر آئے سب لوگ
ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

(میر انیس)

کہا احباب نے یہ دفن کے وقت
کہ ہم کیونکر وہاں کے حال جانیں
لحد تک آپ کی تعظیم کر دی
اب آگے آپ کے اعمال جانیں

(اکبر الٰہ آبادی)

رباعیات

رُخ ہے تیرا ماہ یا خورشید پر ہے یہ غلط — دِل ستانی اس قدر مہ میں کہاں خور میں کہاں
قد ہے تیرا ایک صنوبر۔ باغِ عالم میں ولے — راستی جو ہے ترے قد میں، صنوبر میں کہاں

(نامعلوم)

ساقی ترے بغیر گلستانِ دہر میں — کٹتی اب اس طرح سے یہ شام و پگاہ ہے
ساغر ہے داغ، شبنمِ صہبا ہے آبلہ — بارش ہے اشک۔ ابر سیہ دودِ آہ ہے

(شاہ نصیر الدین نصیر دہلوی)

ہے کہیں اقبال کی نوبت کہیں ادبار کی — سب کو کرنی ہونگی پوری اپنی اپنی باریاں
زیست بے عقلوں کو ہو جائے بسر کرنی محال — اتنی بھی اے عاقلو اچھی نہیں ہشیاریاں

(مولانا حالیؔ)

کوئی ایسے تھے کہ جو ہنستے ہنساتے اُٹھ گئے — کوئی ایسے تھے جنہوں نے روتے روتے کاٹ دی
ہوشیاری بھی ہو دُنیا کے فریبوں سے بھری — تھے وہی اچھے جنہوں نے عمر سوتے کاٹ دی

(نادر کاکوروی)

جس اشک کے قطرے کو کہتا ہوں ذرا تھم جا — عالم کی ملامت سے میں رنج اُٹھاتا ہوں
تب سُن کے وہ کہتا ہے مت روک طپش مجھ کو — میں دُور سے آتا ہوں اور دُور کو جاتا ہوں

(طپش دہلوی)

اتنا پیغام درد کا کہنا — گر صبا کوئے یار میں گذرے
کون سی رات آن ملئے گا — دن بہت انتظار میں گذرے

(میر درد دہلوی)

کس منہ سے کہوں لائقِ تحسین میں ہوں — کیا لُطف جو گل کہے رنگین میں ہوں
ہوتی ہے حلاوتِ سخن خود ظاہر — کہتی ہے کہیں شکر کہ شیریں میں ہوں

(میر انیس)

خدا ایک ہے

سینکڑوں عاشق ہیں دل آرام سب کا ایک ہے | مذہب و ملت جدا ہیں کام سب کا ایک ہے
سب خدا کی ذات میں ہیں نام سب کا ایک ہے | ابتدا ہے مختلف۔ انجام سب کا ایک ہے

ایضاً

پلٹتی ہر چیز اپنی فطرت کی طرف | بدکار بھی توبہ کر کے پھر نیک ہوا
دس ہوں یا سو ہوں یا ہزار آخر کار | جب صفر مٹا پھر ایک کا ایک ہوا

حور کیا ہے؟

یا خدا نام سنا ہے ترا قہار و غفور | ہم بھی اک بات بصد خوف و رجا کہتے ہیں
دیکھے ترغیب ہمیں زہد و ورع کی واعظ | حور مل جائے گی کل اس کی جزا کہتے ہیں
تیری صناعی تو کیا پوچھئے سبحان اللہ | حور کے وصف کرتے ہیں بجا کہتے ہیں
پر ہے دریافت طلب یہ بھی ہیں ان میں حرکات | جن کو ہم غمزہ و انداز و ادا کہتے ہیں

یا نرے پتلے ہیں کافور کے بھولے بھالے
رات دن صلِّ علےٰ صلِّ علےٰ کہتے ہیں

ختم شد حصہ چہارم

قیمت:۔ حصہ اول۔ حصہ دوم۔ حصہ سوم۔ الف حصہ چہارم۔ حصہ پنجم۔ حصہ ششم۔ حصہ ہفتم
۸ر ۸ر ۸ر ۸ر ۸ر ۸ر ۸ر

ملنے کا پتہ:۔ کتب خانہ مجیبیہ وحبیبیہ۔ کلاں محل دہلی

(محبوب المطابع برقی پریس دہلی)